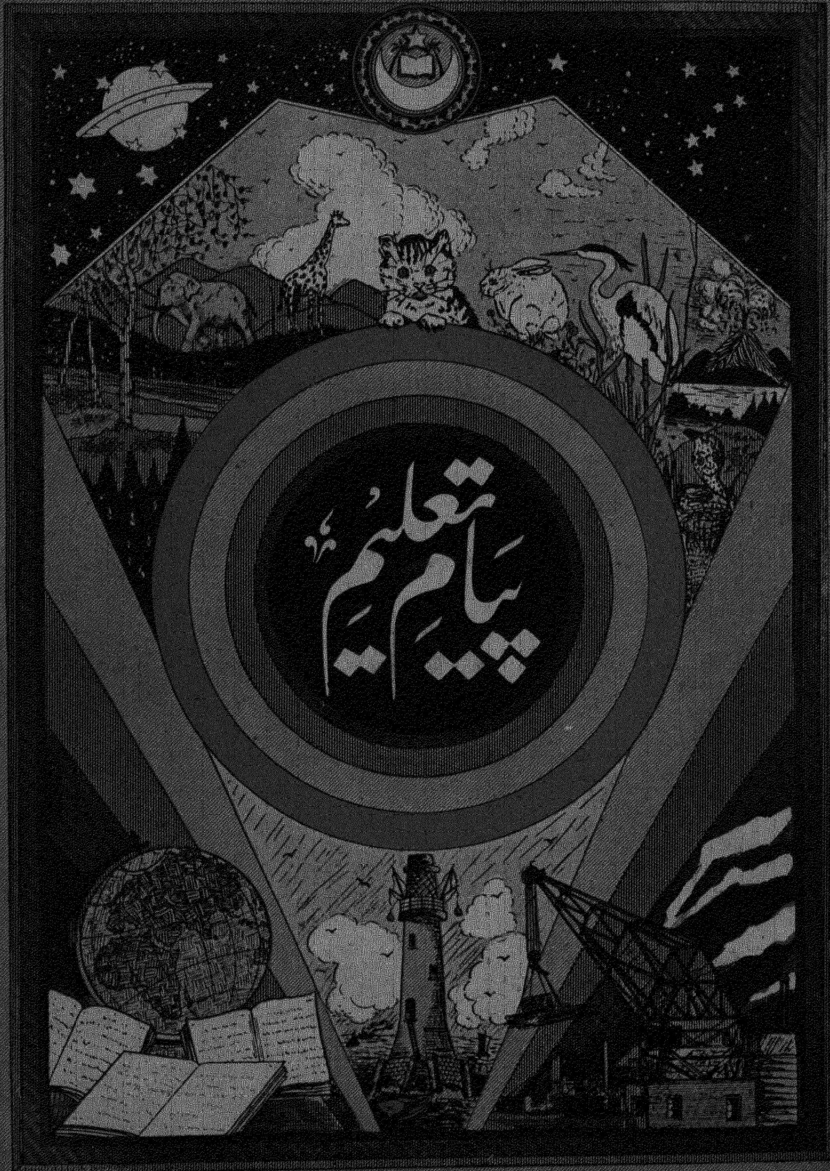
REG. L. No. 1961.



Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi.

بچوں کے ڈرامے اور دوسری کتابیں

بچوں کا انصاف (ڈراما) جامعہ میں کھیلا جا چکا ہے اور پسند کیا گیا ہے مع فوٹو بلاک دربار ہارون رشید۔ قیمت صرف چار آنے ۔ ۔ ۔ ۔ (۴/)

محنت (ڈراما) اس میں دکھایا گیا ہے کہ محنتی آدمی کیسی چین کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مفت کا مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ قیمت صرف چار آنے ۔ ۔ ۔ ۴/

اسکول کی زندگی (ڈراما) ہندوستان کے مدرسوں کی عام زندگی بتائی گئی ہے اچھے اور شریر طالب علموں کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ قیمت صرف ۔ ۔ ۔ ۴/

دیانت (ڈراما) از ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب شیخ الجامعہ۔ اس ڈرامے میں دیانتداری کی خوبیوں کو نہایت دلچسپ پیرائے میں دکھایا گیا ہے قیمت ۲/

شریر لڑکا (ڈراما) از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ شریر لڑکا اور نالائق لڑکا بھی اچھی تربیت سے اچھا اور نیک طینت ہو سکتا ہے۔ قیمت ۴/

قوم پرست طالب علم (ڈراما) یہ عبد الغفار صاحب مدہولی کا ایک قومی ڈراما ہے جس میں ہندو مسلم اتحاد کی تعلیم دی گئی ہے قیمت صرف ۴/

ترکوں کی کہانیاں ترک بچوں کی بہادری، ہمت اور جرأت کی چند سچی کہانیاں۔ ان کو پڑھ کر بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے قیمت صرف ۔ ۔ ۴/

تاریخ ہند کی کہانیاں سیکڑوں برس پہلے کی تاریخی کہانیاں آسان اور پیاری زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۴/

دنیا کے بسنے والے حبشی، امریکا کے قدیم باشندے، بدو عرب، افریقہ کے بونے، جاپانی، سوئتانی اور اسکیموز وغیرہ کے عجیب حالات مع دلچسپ اور ہنسانے والی تصویروں کے قیمت صرف ۶/

سمندر کا عجائب خانہ پانی کے عجیب وغریب جانوروں کا ذکر ہے اور بہت دلچسپ ۔ ۔ ۱۲/

تعلیمی تاش Indoor Games کے طور پر بچوں کے واسطے اچھا دلچسپی کا مشغلہ ہے۔ اس سے اردو انگریزی اور حساب کی علمی قابلیت بڑھتی ہے۔ مع قواعد۔ قیمت عہ/

تعلیمی کھیل اس کتاب میں اول جماعت سے لے کر چھٹی جماعت تک کے نہایت مفید کھیل درج ہیں۔ یہ کھیل دلچسپ بھی ہیں۔ ۶/

خزانہ اس میں روپے پیسے کے متعلق دلچسپ کہانیاں ہیں۔ بچہ قصے ہی قصے میں بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ قیمت ۲/

لومڑی اور مینا یہ بھی بچوں کے لئے بڑی مزے دار کتاب ہے۔ نہایت آسان زبان ہے ۔ ۔ ۳/

موتی ویس بہت ہی چھوٹے بچوں کے لئے نہایت آسان زبان میں تصویردار دلچسپ کہانی قیمت ۲/

مکتبہ جامعہ، قرولباغ، دہلی



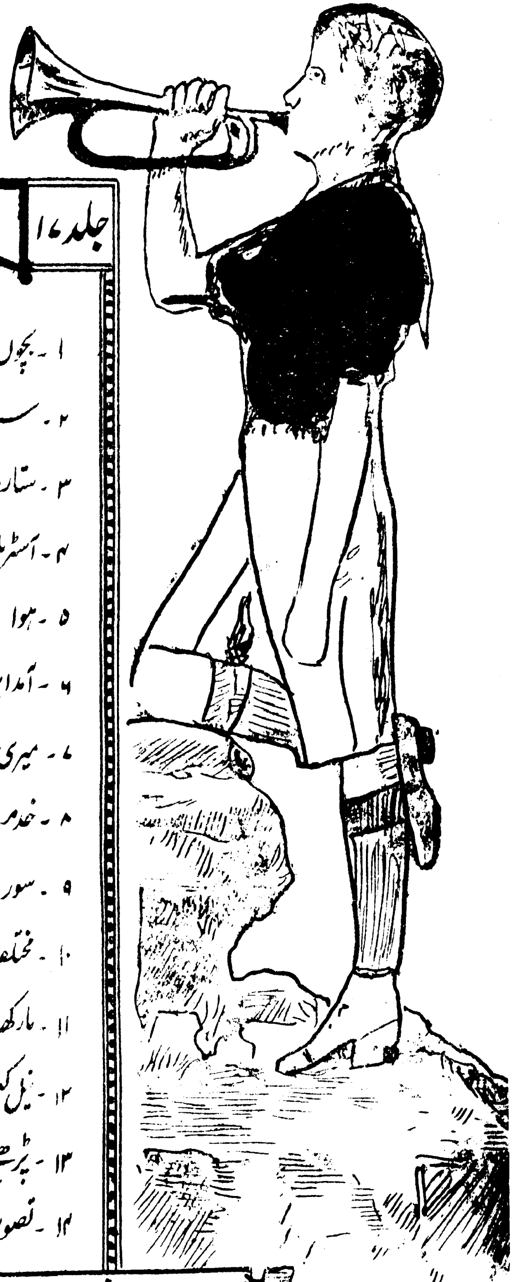
تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لکڑی کے لٹھوں پر جو بہت دنوں تک زمین پر پڑے رہتے ہیں - ایک سفید سفید سا درخت اگ آتا ہے - معلوم نہیں تمہارے یہاں اسکا کیا نام ہے - ہمارے یہاں تو اِسے ککرمتا کہتے ہیں - کبھی کبھی تو یہ بالکل چھتری سی معلوم ہوتی ہے - اِسے ہاتھ نہ لگانا بڑا نازک ہوتا ہے - ذرا میں ٹوٹ جاتا ہے - یہ مختلف شکل و صورت کا ہوتا ہے - اور اس کی قسمیں بھی بہت ہیں اِن میں سے بعض تو بڑی جلدی اُگ آتے ہیں - اور تھوڑے ہی دنوں میں ختم بھی ہو جاتے ہیں - مگر بعض سال تک باقی رہتے ہیں - اوپر کی تصویر میں اس کی مختلف شکلیں دکھائی گئی ہیں -



اِٹلی کے بچوں کو شروع ہی سے باغبانی سکھائی جاتی ہے -
اس تصویر میں بچے بنجر زمین میں درخت لگانے جا رہے
ہیں - اِن کے جوان ہونے تک یہ درخت بھی جوان ہو
جائینگے - اور یہ بڑے مزے سے ان کے پھل کھائینگے

Calcutta Art Press Delhi.

پیامِ تعلیم

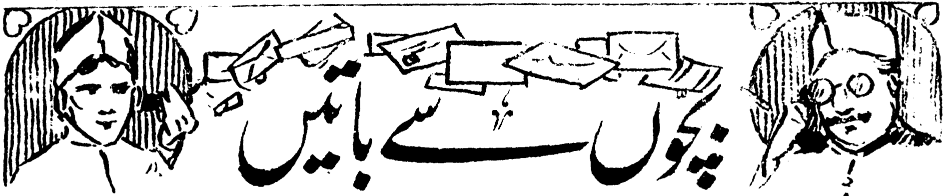


جلد ۱۷ — بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۴ء — نمبر ۱

فہرست مضامین

زیر ادارت سعید انصاری۔ بی اے (جامعہ) محمد حسین حسان (ندوی)

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین۔ جامعہ پریس۔



خدا کا شکر ہے کہ پیامِ تعلیم کی اشاعت اور مقبولیت دن بدن بڑھ رہی ہے ، اگرچہ یہ صرف ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے ، تم نے اب تک اس پر ذرا بھی توجہ نہیں کی ہے ، حالانکہ پیامِ تعلیم کا کوئی پرچہ ایسا نہیں جس میں ہم نے تمھارے اس فرض کو یاد نہ دلایا ہو۔ تمھیں شاید یہ بار بار کے تقاضے ناگوار بھی گذرے ہوں ، مگر بھائی ہماری مجبوریوں کا بھی تو خیال کرو ، باوجود سخت کوششوں کے ابھی تک تمھارا پرچہ نقصان ہی سے چل رہا ہے لیکن چوں کہ ہم تمھارے لئے اسے ضروری سمجھتے ہیں اس لئے جب تک دم میں دم ہے ہم اسے چلاتے رہیں گے ۔ اور انشاء اللہ اس کی چھپیاں بڑھتی ہی جائیں گی ۔ یہاں تک کہ تم خود اس کی مدد کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے

ہم تمھیں یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ پرچہ کوئی ایک شخص نہیں نکال رہا ہے بلکہ ایک قومی یونیورسٹی (جامعہ) کی طرف سے نکل رہا ہے اس لئے اس سے کچھ نفع ہوا بھی تو وہ کسی ایک شخصیت کی ملکیت نہ ہوگا ، بلکہ جامعہ ہی اس کی مالک ہوگی ، یہ بھی سن لو کہ جامعہ میں کام کرنے والوں نے یہ طے کیا ہے کہ جو کچھ نفع ہو وہ اس کی ترقی پر لگا دیا جائے ۔

اس سلسلے میں ہم حیدرآباد کے محکمۂ تعلیم کے ان افسروں کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ، جنھوں نے پرچے کی قدر و قیمت سمجھ کر اسے اپنے یہاں کے ابتدائی مدرسوں میں جاری کرایا ، ہمیں امید ہے کہ ریاست کے بقیہ تعلیمی افسران بھی اس طرف توجہ فرما کر اپنی قدردانی کا ثبوت دیں گے

ان ہی قدردانیوں کی بدولت ہم تمھیں یہ

خوش خبری بھی سنانا چاہتے ہیں کہ اس جلد سے ہمارے مہربان مینجر صاحب نے رسالے کی سالانہ قیمت بہت گھٹا دی ہے یعنی بجائے تین روپے کے صرف ڈھائی روپے کر دیتے ہیں۔ ہم تمھاری طرف سے مینجر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ پیام تعلیم کی قیمت صرف دو روپے ہو جائے، اور یہ پرچہ ہر اردو پڑھنے والے بچے کے ہاتھوں میں پہنچنے لگے۔

اپریل کے انعامی مقابلے (پچھلی عید کیسے گذاری) پر ہمارے پاس کافی مضمون آگئے ہیں۔ ان میں سے اچھا مضمون عبدالملک غلام حسین صاحب کا ہے۔ اور وہی انعام کے مستحق قرار دیے گئے ہیں، ہم انھیں مبارک باد دیتے ہیں۔ انشاءاللہ انعام کی کتابیں ان کے پاس جلد پہنچ جائیں گی ان کا مضمون اس پرچے میں شائع کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے مضمون بھی آیندہ نمبروں میں شائع ہوں گے۔

پچھلے مہینے (جون) میں جس انعامی مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا، اس پر مضمون ابھی سے آنے لگے ہیں۔ بچے ذرا اور جلدی کریں کہ اگست کے مہینے میں ہم اس کا نتیجہ بھی شائع کر دیں مضمون لکھنے سے پہلے وہ ہماری تحریر کو ذرا غور سے دیکھ لیں۔

اس پرچے میں ہم اپنے محترم بزرگ جناب پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے کا ایک خاص مضمون شائع کر رہے ہیں، اس میں انھوں نے تمھیں بہت سی نصیحتیں کی ہیں، امید ہے کہ تم اس مضمون کو بہت دل چسپی سے پڑھو گے اور ان اچھی نصیحتوں پر عمل کی کوشش کرو گے

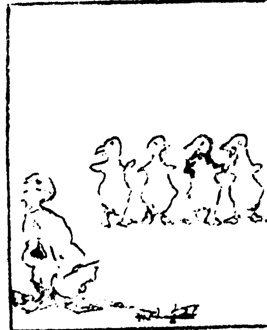


سلفو



(محمد حسین حسان)

سلفو۔ بی بطخ کا ایک ننھا منھا بچہ سرخ چونچ نرم نرم پیلے پر بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا تھا، اس کے تین بھائی اور بھی تھے۔ رشو، منو اور رمو، ایک بہن بھی تھی، اس کا نام منیا تھا، یہ چاروں بہن بھائی بڑے بھولے بھالے نیک اور سیدھے تھے۔ ماں کے کہے پہ چلتے اور جس بات کا وہ حکم دیتی کرتے، مگر سلفو بڑا ہی شریر، چلبلا اور نٹ کھٹ تھا۔ بغیر شرارت کئے اسے چین ہی نہیں آتا تھا اور اپنی ماں کا کہا تو وہ کبھی نہیں مانتا تھا۔



ایک دن ماں نے سب بچوں سے کہا تم اتنے بڑے ہوگئے ہو، چلو آج تمھیں نہلانے لے چلوں، وہاں چل کے خوب تیرنا، تم جانو پانی تو بطخوں اور مرغابیوں کی جان ہے، بغیر پانی کے ان کی زندگی ہی دشوار ہے، ان بچوں نے جو یہ سنا تو ان کے دل کی کلی کھل گئی۔ بڑے ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے "آہا، کیا مزا آئے گا، تالاب میں تیریں گے" مگر میاں سلفو پر تو ہر وقت شرارت سوار رہتی تھی۔ بس اڑ گئے اور کہنے لگے "ہم تو نہیں جاتے" ماں نے جو یہ سنا تو بہت غصہ ہوئیں "قیں، قیں، کیوں بے وقوفی کی باتیں کرتا ہے۔ تمھیں سب کو تالاب پر چلنا ہوگا" مگر میاں سلفو اپنی ترنگ میں تھے، کہنے لگے "میں



تو نہیں جاؤں گا۔ ماں کو اور بھی غصہ آیا اور بڑی تیزی سے کہا "پاجی! تو میری بات نہیں مانے گا چل فوراً میرے ساتھ آ" یہ کہہ کر وہ چھوٹی جھاڑی، ایک دو کرتی تالاب کی طرف روانہ ہوگئیں۔ رشو اور منو وغیرہ بھی ایک قطار میں فوجی طریقے پر ماں کی آواز پر قدم رکھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چل دئے مگر سلفو کے کان پر اب بھی جوں نہ رینگی، اور ماں کی ڈانٹ پھٹکار کا اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا، اس نے کیا شرارت کی کہ بجائے اس کے کہ بہن بھائیوں کے ساتھ تالاب کی طرف چلتا آپ پیچھے کو مڑ گئے، اور ایک دو، ایک دو کرتے ہوئے دوسری طرف کو ہو لئے۔ اپنے دل میں کہنے لگے میں نہیں تیروں گا آخر کیا ضرورت ہے کہ میں بھی وہی کروں



جو رشو اور منو کرتے ہیں"۔ اپنی اس شرارت پہ انھیں بہت فخر تھا، اور بڑی شان سے سینہ نکالے ہوئے چل رہے تھے۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے کہ گائے ماتا ملیں، کھیت کے ایک کنارے پر کھڑی جگالی کر رہی تھیں۔ انھوں نے جو اسے دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ یہ تو بڑی بری بات ہے کہ یہ اکیلا ادھر ادھر پھر رہا ہے



انھوں نے سلفو سے کہا "بیٹا تم ادھر ادھر کہاں پھر رہے ہو اچھے بچوں کی طرح اپنی ماں کے ساتھ باڑے میں کیوں نہیں رہتے"؟

سلفو:۔ میں تو تیرنے نہیں جاتا، کیوں جاؤں؟ کیا تم بھی بالکل وہی باتیں کرتی ہو جو دوسری گائے کرتی ہیں؟



گائے ماتا:۔ اور کیا اچھا تو خود ہی سوچ اگر میں دوسری گایوں کی طرح دودھ نہ دوں تو پھر کیا ہو۔ تو بھی کیسی باتیں

کرتا ہے بچے۔

سلفو۔ (ذرا شرارت کے لہجے میں) مجھے کیا معلوم کیا ہو۔



گائے ماما: اچھا تو بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ سلفو اتنا کہہ کر وہ پھر گھاس چرنے لگیں۔



سلفو:۔ (ننھی سی آواز میں) "قیں قیں قیں" معلوم ہوتا ہے یہ کچھ جانتی وانتی نہیں" اتنا کہہ کے آپ پھر جھومتے جھامتے۔

اکڑتے اینٹھتے، بانستے کرتے ایک طرف کو چل دیے۔ اتنے میں بی بکری خانم



نظر آئیں سامنے بچے کلیلیں کر رہے تھے انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں سلفو



کو دیکھ کر بی بی بی کہنے لگیں۔ اے کیا ہو گیا ہے تو اکیلا ادھر ادھر گھوم رہا ہے یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے، سلفو قریب آیا تو کہنے لگیں "میں میں میں ارے سلفو تو کہاں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اپنی ماں کے ساتھ باڑے میں کیوں نہیں رہتا، اچھے

بچوں کا تو بھائی یہی قاعدہ ہے۔



سلفو:- ہاں تو پھر نے نہیں جانا، کیوں جی بی کیا تم بھی سب وہی باتیں کرتی ہو جو دوسری بھیڑیں کرتی ہیں۔

بی بھیڑ خانم:- یقیناً۔ بھلا تو ہی بتا اگر میں اون کے لئے اپنے بال نہ کٹوایا کروں تو کیا ہو؟ تجھے کیا ہو گیا ہے، کیسی باتیں کرتا ہے بچے۔

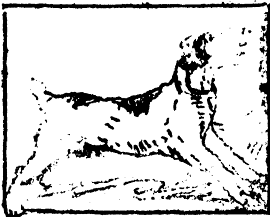
سلفو (ذرا شرارت سے) بی سچ جانو مجھے معلوم نہیں، اگر تم بال نہ کٹواؤ تو کیا ہو

بی بھیڑ خانم:- بے وقوف نہ بنو سلفو! یہ کہہ کر پھر وہ اپنے بچوں کی طرف دیکھنے لگیں "قیں، قیں، قیں، شاید یہ بے چاری نہیں جانتی"۔ اور یہ پھر جھومتے جھامتے اکڑتے اکسٹھ ۶۱ باسٹھ ۶۲، اکسٹھ ۶۱ باسٹھ ۶۲

کرتے آگے کی طرف روانہ ہو گئے، تھوڑی دور



گئے تھے کہ انھیں ایک بڑا اچھا تماشا دیکھنے کو مل گیا۔ میاں شیر خاں ایک سیب کے درخت کی جڑ میں بی خالہ پر اُچک اُچک کر بھونک رہے تھے اتنے غصے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر خالہ ان کے ہتھے چڑھ جائیں تو کھا ہی جائیں۔ ادھر



خالہ بے چاری کچھ کر تو سکتی نہیں تھیں بس جلبلا جلبلا کے خاں صاحب کے منہ پر تھوک دیتی تھیں۔ میاں سلفو پر جو ان کی نظر پڑی تو انھوں

اک ذرا کے ذرا خان صاحب پر تھو کنا تو چھوڑا اور ہرے ہرے دیدوں سے سلفو کی طرف تکنے لگیں۔ ادھر میاں شیر خان نے بھی

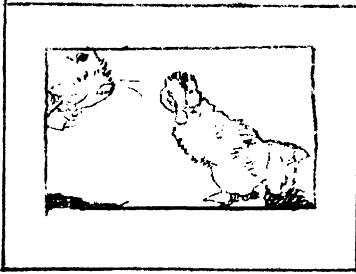


ان کی طرف دیکھا اور جی ہی جی میں کہنے لگے، یہ تو بڑا آوارہ بچہ ہے اکیلا ہی ادھر ادھر گھوم رہا ہے



یہ بڑی بری بات ہے ابھی اس چڑیل کو ذرا بھی موقع مل جائے تو میاں کا نوالہ بنا لے۔ سلفو قریب آیا تو اس سے کہنے لگے۔

"بھوں، بھوں، بھوں ارے میاں سلفو یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے، جو اکیلے ادھر ادھر گھوم رہے ہو، اچھے بچے کی طرح ماں کے ساتھ باڑے میں کیوں نہیں رہتے۔



سلفو میں تو تیرنے نہیں جاتا۔ کیوں جاؤں کیا تم بھی وہی سب کام کرتے ہو جو دوسرے کتے کرتے ہیں۔

کتے خاں:۔ بیشک تم خود ہی خیال کرو اگر میں اپنے مالک کا کہنا نہ مانوں تو کیا ہو تم بھی کیسی بے سمجھی کی باتیں کرتے ہو سلفو

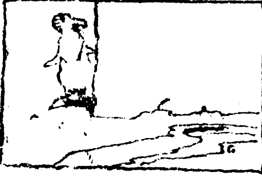
سلفو (ذرا شرارت سے) مجھے کیا معلوم پھر کیا ہو۔

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو سلفو" یہ کہہ کر شیر خاں نے اپنا منہ سیب کے

درخت کی طرف پھیر لیا۔ بلی خالہ کو وہ
پھر پریشان کرنا چاہتے تھے، مگر خالہ
بلی تو تم جانو، حرفوں کی بنی ہوئی ہیں
تیزی اور چالاکی تو ان کی گھٹی میں پڑی
ہے۔ انھوں نے جوں ہی دیکھا کہ خان
صاحب باتوں میں مشغول ہیں، چپکے سے
پیڑ کے گدے سے کود نظروں سے اوجھل
ہوگئیں۔ شیر خاں بے چارے اب کیا
کر سکتے تھے اس لیے اب انھوں نے
اپنا سر سامنے کے دونوں پیروں پر ڈال
دیا اور دھوپ میں سونے کی تیاری
کرنے لگے۔

سلفو: "قیں، قیں، قیں" معلوم ہوتا
ہے اس بے چارے کو بھی کچھ پتہ نہیں
اب وہ اور آگے بڑھے اس خیال سے
کہ کوئی اور مل جائے تو ذرا اس سے بھی
گپ رہے وہ باڑے کے کونے کی دیوار
کا چکر لگاتے رہے اور چلتے چلتے بے خبری
میں خود ہی تالاب کے قریب آگئے

تالاب کے بالکل کنارے خالہ بلی بڑی
احتیاط سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ کہیں پاؤں

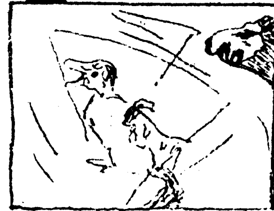


پانی میں نہ بھیگ جائیں، ساتھ ہی ساتھ
اپنی تیز آنکھیں سلفو پر بھی جمائے ہوئے
تھیں، ایکا ایکی سلفو کی نظر بھی ان پر
جا پڑی، اب تو بے اختیار سے چیخ نکل
گئی اور بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔ اتنے



میں بلی خالہ بول اٹھیں "میاؤں، میاؤں
سلفو پہلے تو میں تمھارے ساتھ خوب

کھاؤں گی پھر تمہیں کھا جاؤں گی" یہ کہہ کر انھوں نے سلفو کی طرف بڑے زور کی چھلانگ لگائی اب تو میاں سلفو کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور بے سوچے سمجھے غڑاپ سے پانی میں کود پڑے۔



بلی خالہ پھر چلائیں میاؤں، مگر اس آواز سے کچھ مایوسی ٹپکتی تھی، اس لئے کہ وہ پانی سے اتنا ڈرتی تھیں کہ سلفو کا پیچھا کرنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

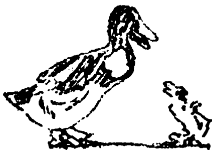
سلفو بلی کے پنجے سے سلامت نکل آنے پر اتنا خوش تھا کہ دو تین منٹ تک تیرتا رہا مگر اسے پتہ نہیں چلا کہ کیا کر رہا ہے، پھر ایکا ایکی وہ چلا اٹھا، اوہو میں تو سچ مچ تیر رہا ہوں، بھئی یہ تو بڑا اچھا معلوم ہو رہا ہے، اس نے ایک ذرا کے ذرا سر پانی کے اندر کیا اور گھاس کا ایک بہت مزے دار تنکا اس کے منہ میں آگیا



اب وہ تیرتے تیرتے اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے پاس پہنچا۔ اور ماں سے کہنے لگا۔ارے اماں دیکھو! میں نے کیسی بے وقوفی کی جو اس سے پہلے نہیں تیرا اب مجھے تو یہ ایسا اچھا معلوم ہو رہا ہے کہ کبھی نہیں معلوم ہوا تھا



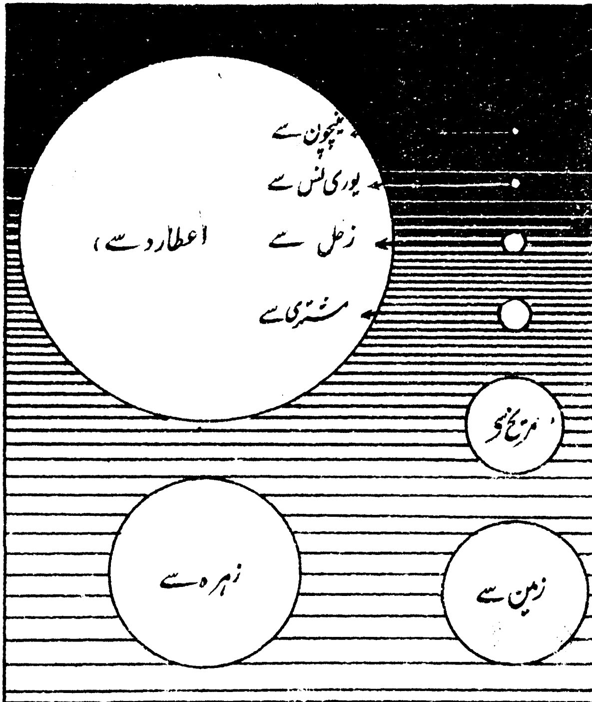
ماں نے پیار سے کہا "بے وقوف بچے" اور سلفو کی پچھلی شرارتوں کو بالکل بھلا دیا، ماں کی ممتا بھی کیا چیز ہے



ستاروں کی برادری

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

نیچے ہم ایک نقشہ دیتے ہیں، جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اگر ہم اپنے بھائی بہنوں میں سے کسی سیارے کے یہاں چلے جائیں تو وہاں سے سورج کتنا بڑا معلوم ہوگا۔ اس تصویر میں آپ نے دیکھا کہ نیپچون ہیں سے جو ہمارے خاندان میں سب سے دور ہے، سورج کتنا چھوٹا دکھائی دیتا ہے، اور اگر کہیں ہم آسمان کے ان ستاروں میں پہنچ جائیں، جو اس نیپچون سے لاکھوں گنا دور ہے، اور وہاں سے سورج کو دیکھیں تو شاید ایک معمولی سے ٹمٹماتے ہوئے ستارے کی طرح دکھائی دے گا اور بس، اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ ستارے اصل میں ہمارے سورج کے برابر یا اس سے بھی بڑے بڑے سورج ہیں اور کیا معلوم سورج کی طرح ان کے بھی بڑے بڑے خاندان ہوں۔

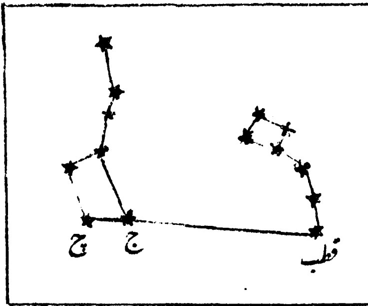


قطب

ستاروں کے پہچاننے کا شغل

خود ہی بہت دل چسپ ہے ، ذرا آپ رات کے وقت اوپر نظر اُٹھا کر انھیں پہچاننے کی کوشش تو کیجیے ، دیکھیے کتنی دلچسپی پیدا ہوتی ہے ، دلچسپی کے علاوہ اس سے ایک بڑا فائدہ بھی ہے ، وہ یہ کہ اس سے سمت بھی معلوم ہوتی ہے ، فرض کیجیے آپ کسی جنگل میں جا رہے ہیں وہاں رات ہو گئی آپ کو عشا کی نماز پڑھنا ہے ۔ یہ معلوم نہیں کہ قبلہ کدھر ہے ، اگر آپ قطب ستارے کو پہچانتے ہیں تو فوراً قبلہ معلوم کر کے ٹھیک طریقے سے نماز پڑھ لیں گے ۔ بھولے بھٹکے بے چارے ان ہی ستاروں سے اپنا راستہ معلوم کر لیتے ہیں، گاؤں والوں کے لیے تو یہ گھڑی کا کام دیتے ہیں ۔ وہ ستاروں کو دیکھتے دیکھتے ایسے ماہر ہو گئے ہیں کہ انھیں دیکھ کر ٹھیک وقت بتا دیتے ہیں ۔

اچھا سنیے ۔ ہم آپ کو قطب ستارے کی پہچان بتائیں ، یہ ستارہ ہماری دنیا کے ٹھیک سر پر یعنی شمال میں واقع ہے ، آپ شمال کی طرف کے آسمان کو دیکھیے تو ستاروں کا ایک ایسا نقشہ سامنے آئے گا ، اس نقشے کے "ج" اور "چ" ستارے زیادہ روشن ہوں گے ان ستاروں سے

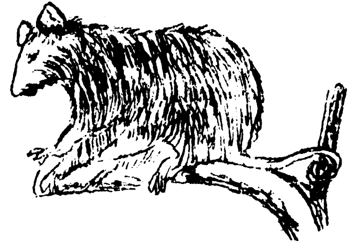


اگر سیدھی لکیر کھینچی جائے تو قطب ستارے تک یہ پہنچ جاتی ہے ، پھر "ج" اور "چ" کے سات ستاروں والا جیسا نقشہ ہے ویسا ہی نقشہ بہت چھوٹا قطب ستارے کے پاس الٹا بنا ہے اور قطب ستارہ ان کی دم ہے ان چھوٹے بڑے سات ستاروں کو سپت رشی بھی کہتے ہیں، پلنگ پیڑھی بھی کہتے ہیں

آسٹریلیا کے چند جانور

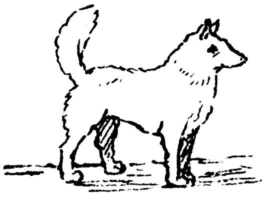
(از جناب محمد احمد صاحب سبزواری)

اپوسم - یہ جانور بھی تھیلی والے جانوروں میں داخل ہے، یہ ہمارے یہاں کی بلی سے بہت ملتا جلتا ہے، اور اس کا قد بھی بلی ہی کے برابر ہوتا ہے، اس کی دم بہت لمبی ہوتی ہے، اور بندر کی طرح اپنی لمبی دم سے درختوں کی ٹہنیاں پکڑ کر لٹک سکتا ہے - یہ جانور عام طور پر درختوں



ہی پر رہتا ہے - اور ان کے پھل پھول اور پتے وغیرہ اس کی غذا ہیں - اس کے پیٹ میں بھی ایک تھیلی ہوتی ہے اور کانگرو کی طرح یہ بھی اپنے بچے کو اس تھیلی میں رکھ کر پرورش کرتا ہے، اس کی کھال نہایت خوشنما اور نرم ہوتی ہے، اور اس سے زیادہ تر غالیچے تیار کئے جاتے ہیں - آسٹریلیا والوں کو اس قسم کے غالیچوں سے بہت نفع ہوتا ہے، اور صرف - ۳۰ لاکھ روپے کے قریب تو یہ غالیچے انگلستان ہی کو روانہ کئے جاتے ہیں -

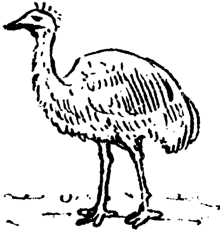
ڈنگو یا سون کتا - یہ اصل میں کتے کے خاندان سے ہے - آسٹریلیا میں جنگلی کتے کی صرف یہی قسم پائی جاتی ہے، یہ دنیا کے کسی اور حصے میں نہیں ہوتا، اس کی کھال سرخی مائل ہوتی ہے، اور دم گچھے دار - یہ جانور نہایت غصہ ور ہوتا ہے



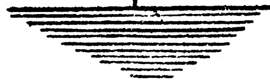
اور بھیڑیا یا گیدڑ کی طرح جتھے بنا کر رہتا ہے،

عام طور پر چھوٹے چھوٹے جانور، چوہے، پرندے اور ساحل کے کیکڑے وغیرہ اس کی خوراک ہیں مگر کبھی کبھی یہ بکری، گدھے اور اسی قسم کے دوسرے جانوروں پر بھی حملہ کر دیتا ہے، اور بعض اوقات آدمی کے بچوں کو بھی پھاڑ ڈالتا ہے، اگر کوئی آفت کا مارا اکیلا دُکیلا آدمی انھیں مل جائے تو پھر زندہ بچ کر نہیں آ سکتا، ڈنگو اگرچہ کتے کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے مگر عام کتوں کی طرح بھونکتا نہیں ہے۔

ایمو:۔ یہ شکل صورت میں بالکل افریقہ کے شترمرغ سے ملتا جلتا ہے، گو قد و قامت میں اس سے چھوٹا ہے، اس کا قد عام طور پر ۶، ۷ فٹ ہوتا ہے، مگر دوڑنے میں اس سے کسی طرح کم نہیں، آسٹریلیا کے تمام پرندوں میں یہ سب سے بڑا ہے، اس کے پر اگرچہ اتنے قیمتی نہیں ہوتے جتنے شترمرغ کے ہوتے



ہیں تاہم اس کثرت سے اس کا شکار کیا گیا ہے کہ اب اس نسل کے بہت کم جانور باقی رہ گئے ہیں چونکہ یہ بہت سی باتوں میں شترمرغ سے ملتا جلتا ہے اسی لئے اسے آسٹریلیا کا شترمرغ بھی کہتے ہیں۔





اچھا بتاؤ، آج ہم تم سے ایک بات پوچھیں وہ کون سی چیز ہے جس کے بغیر کوئی جاندار چیز ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی، تم کہو گے، کھانا ہے یا پانی، نہیں، کھانے کے بغیر تو انسان ہفتوں اور مہینوں رہ سکتا ہے۔ اور پانی بھی نہ ملے تو وہ کئی دن گذار سکتا ہے، مگر ہم تو ایسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں جو ایک لمحہ کے لئے بھی لے لی جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا، شاید اب تم بتا سکو کہ وہ ہوا ہے۔

انسان اور حیوان ہی پر کیا موقوف ہے مکانات اور عمارتیں بھی۔ اگر اں کے اندر سے ہوا نکال لی جائے تو ایک منٹ کے لئے نہیں ٹھہر سکتیں ہوا سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ وہ ایسی چیز ہے جو ہر جگہ موجود ہے، لیکن ہم کو نظر نہیں آتی ہمارے چاروں طرف ہوا کا سمندر ہے، جس طرح سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں۔ اسی طرح ہوا کے اس سمندر میں بھی موجیں پیدا ہوتی ہیں۔ جب ہم کو ہوا لگتی ہے تو وہ دراصل یہی لہر ہوتی ہے

اچھا تم کسی دریا یا تالاب میں ایک ڈھیلا پھینک کر دیکھو، اس سے لہریں بنتی ہوئی ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جائیں گی ٹھیک اسی طرح ہوا کے اس سمندر میں بھی حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ہوا کے جھونکے اُٹھتے ہیں۔ جتنی زور کی یہ حرکت ہوتی ہے اتنے ہی تیز وہ جھونکے ہوتے ہیں۔ لیکن ہوا کی یہ لہریں کسی پتھر یا ڈھیلے کے پھینکنے سے نہیں اٹھتیں بلکہ اس کے پیدا ہونے کا کچھ اور ہی سبب ہے

تم پیامِ تعلیم کے سائنس کے مضمونوں میں کئی بار پڑھ چکے ہو کہ ہر چیز گرمی سے پھیلتی اور سردی سے سکڑتی ہے۔ اگر تم کسی پتیلی میں تھوڑا پانی کھولاؤ

تو پانی جوش کھا کھا کر اوپر کو اُٹھے گا ، یہ اوپر کا اٹھنا اس کا پھیلنا اور زیادہ جگہ کی تلاش ہے ، بالکل یہی مثال ہوا کی ہے یہ بھی گویا ایک بڑے پتیلے میں پانی کی مانند ہے ، جب اس کو گرمی پہنچتی ہے تو یہ ہوا پھیل کر اوپر کو اٹھتی ہے اور پھیلنے کے لئے زیادہ جگہ کی تلاش کرتی ہے ۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھو کہ پانی ہو یا ہوا ، یہ کسی جگہ کو خالی نہیں چھوڑتے ، پانی تو اگر تم کسی برتن سے نکال لو ، تو وہ خالی بھی ہو سکتا ہے لیکن ہوا کو تم کسی برتن سے نکال کر اسے خالی نہیں چھوڑ سکتے اس لئے جب ایک جگہ کی ہوا گرمی سے پھیل کر اوپر کو اٹھتی ہے یا اور زیادہ جگہ کی تلاش کرتی ہے تو فوراً دوسری جگہ کی ہوا اس کی جگہ بھرنے کے لئے دوڑتی ہے ۔ اس دوڑنے کا نام ہوا کا چلنا ہے اور جتنی ہی تیزی سے یہ ٹھنڈی ہوا اس گرم ہوا کی جگہ لینے کے لئے دوڑتی ہے ، اتنی ہی تیز ہوا کا جھونکا آتا ہے

تم گرمی کے دنوں میں دیکھو گے کہ جب ہوا بالکل رکی رہتی ہے اور دھوپ سخت ہوتی ہے تو تو اکثر آندھیاں آتی ہیں ۔ اس کا سبب یہی ہے کہ جب گرمی کی شدت سے ایک جگہ کی ہوا گرم ہو کر اوپر اُٹھتی ہے تو دوسری جگہ کی ہوا اس جگہ کو پُر کرنے کے لئے فوراً بڑھتی ہے ۔

تم کہو گے کہ آندھی میں گرد و غبار کہاں سے آتا ہے بات یہ ہے کہ ہوا اپنے ساتھ تیزی میں گرد و غبار لاتی ہے ، اس کے علاوہ تم نے شاید کبھی غور نہ کیا ہو کہ یہ آندھیاں اکثر پچھم یا پچھم دکن کے کونے سے آتی ہیں ۔ تم کسی نقشے میں دیکھو کہ ہندوستان کے پچھم دکھن کے کونے پر کون سے ملک پڑتے ہیں ۔ یہ راجپوتانہ اور سندھ کے ملک ہیں ۔ جہاں تمام ریت ہی ریت ہے ۔ اب جو ہوا ان ملکوں پر سے گذرے گی وہ اپنے ساتھ گرد و غبار نہ لائے گی تو اور کیا لائے گی ! ادھر سے آنے والی ہوا ہمیشہ گرم رہے گی ۔ اس لئے کہ یہ گرم خطے سے ہو کر آتی ہے ۔ تم نے پچھوا ہوا کا نام سنا ہوگا ، وہ یہی کہلاتی ہے ۔ مئی ، جون میں جب زیادہ گرمی پڑتی ہے تو یہی ہوا لو بن جاتی ہے اور کتنے آدمیوں کو جان سے ختم کر دیتی ہے ۔

تم نے کبھی یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ پچھوا میں

صراحی یا گھڑے کا پانی ٹھنڈا ہوتا ہے، تم اب برف کے عادی ہوتے جا رہے ہو، اس لئے گھڑے یا صراحی کے ٹھنڈے میٹھے پانی کا مزہ کیا جانو۔ لیکن اگر کبھی اس کا تجربہ ہوا ہو تو شاید تم نے اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گھڑے یا صراحی کے پانی میں گرمی کی وجہ سے جو ابخرات بنتے ہیں وہ یہ ہوا چوس لیتی ہے۔ یہ پچھوا ہوا نہ صرف گرم خطوں سے آتی ہے بلکہ وہ حصے بہت زیادہ خشک بھی ہیں، اس لئے ان کے اوپر سے گذرنے والی ہوا بہت زیادہ پیاسی بھی ہو گی۔ یہی ہوا جب صراحی یا گھڑے کے بخارات پاتی ہے تو انھیں چوس لیتی ہے، اس طرح ان برتنوں کے پانی کی گرمی بالکل نکل جاتی ہے اور وہ پچھوا ہوا میں اس قدر ٹھنڈا ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں تم ایک بات شاید اور دریافت کرو کہ ہوا ان برتنوں میں کیسے گھستی ہے۔ دراں حالیکہ ان کے منہ ڈھکے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہوا کے جانے کے لئے ان برتنوں کا ڈھکا ہونا کافی نہیں لیکن اس کے تو ہزار راستے ہیں، ان مٹی کے برتنوں میں نہایت چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن سے پانی تو نہیں آسکتا، لیکن ہوا جا سکتی ہے۔ یہ ابخرات جو گرمی کی وجہ سے ان برتنوں میں اٹھتے ہیں۔ انھیں ہوا ان ہی سوراخوں کے ذریعے چوستی ہے، اس طرح ان برتنوں کا پانی ٹھنڈا رہتا ہے، اسی کے ساتھ تمھاری نظر شاید ایک بات پر اور جائے اور وہ یہ کہ مٹی کے کورے برتنوں کا تو پانی ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن وہی برتن جب پرانے ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا پانی ٹھنڈا نہیں رہتا، اس کی وجہ بہت صاف ہے پرانے ہو جانے پر ان برتنوں کے وہ مہین مہین سوراخ مٹی سے بند ہو جاتے ہیں جن سے ہوا کا گذر نہیں ہوتا، اس لئے وہ ابخرات پھر اسی کے اندر رہ جاتے ہیں اور پانی ٹھنڈا نہیں رہتا۔



خدا کا شکر ہے کہ گرمیاں رخصت ہوئیں اور برسات نے بادلوں کے لشکر کے ساتھ آڈیرا جمایا، اب نہ وہ گرم گرم ہواؤں کے تھپیڑے ہیں اور نہ وہ سورج کی جھلسا دینے والی تپش، معلوم ہوتا ہے دوزخ سے جنت میں آگئے ہیں۔ درخت دُھل کر صاف ہوگئے ہیں۔ زمین پر سبزے کا فرش بچھ گیا ہے، باغوں اور جنگلوں میں عجیب بہار ہے کہیں پرند چہچہا رہے ہیں، تو کہیں چرند (چوپائے) کلیلیں کر رہے ہیں، اودی اودی گھٹائیں ہیں کہ آسمان پر چھائی ہوئی ہیں۔ ایسے میں ذرا اس نظم کو پڑھو، دیکھو کیا مزا آتا ہے۔

گھٹا اودی اودی سی کیا چھا گئی
بہارِ چمن رنگ پر آ گئی
پروں کو ادھر مور تولے ہوئے
گھٹائیں ادھر بال کھولے ہوئے
وہ کوئل غضب نے بجاتی ہوئی
پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی

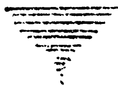
فرہنگ

ا
ابر۔ بادل۔
آمدِ ابر۔ بادل کا آنا۔
ابرِ مُطیر۔ ابر۔ بادل۔
مطیر۔ برسنے والا۔ برسنے والا بادل
آبِ حَیات۔ آب۔ پانی
حیات۔ زندگی یعنی وہ پانی جس کے
پینے سے ہمیشہ زندہ رہیں

گھٹا میں وہ بگلوں کی ہر سو قطار
کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار
سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر
رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر
یہ کہسار میں راہ چھوٹی ہوئی
سڑک سنگ مرمر کی کوٹی ہوئی
زمین و فلک پر ہے مستی کا شور
گرجتے ہیں بادل کہ چلائے مور
کبھی ابر گریاں، کبھی خندہ زن
ہے دلوانے کا سوانگ چرخ کہن
فلک پر گرجتا ہے ابرِ مطیر
زمیں پر نہ کیوں رند گائیں کبیر

—— بنہ ——

آشکار - ظاہر
ب بہارِ چمن - چمن کی بہار
ج جوئے شیر. جوئے. نہر. شیر. دودھ - دودھ کی نہر
چ چرخ کہن - چرخ. آسمان. کہن - پرانا -
پرانا آسمان - مراد - آسمان -
خ خندہ زن - ہنستا ہوا -
د دامن - کنارہ، پہاڑ کی چوٹی -
ر رواں - جاری بہتا ہوا -
رند - آزاد - من چلا -
س سنگ مرمر - ایک قسم کا سفید قیمتی پتھر
جو عمارتوں میں لگایا جاتا ہے -
سوانگ - تماشا نقل
ظ ظلمت - تاریکی - اندھیرا
ف فلک - آسمان -
ک کہسار - پہاڑی جگہ -
کوہ - پہاڑ
کبیر - ایک ہندی گانا
گ گریاں - روتا ہوا
نے - بانسری
ہ ہر سو - ہر طرف



میری عیدالضحیٰ

عبدالملک حاجی غلام حسین نورانی (بمبئی)

میں نے عید بڑی دلچسپی سے گذاری، صبح سویرے جلد سے جلد اٹھ کر نہایا، دھویا اور کپڑے پہنے ...... سب چیزیں تو نئی تھیں لیکن شیروانی، اور جوتے پچھلی عید کے تھے، ہم نے ابا جان سے فریاد کی تو انھوں نے کہا، بیٹا! جو کچھ خدا دے اس پر ہمیشہ شکر کرنا چاہیئے۔ بہت سے ایسے بھی خدا کے بندے ہیں جن کے پاس تن ڈھانکنے تک کو کپڑا نہیں اس بات کا میرے دل پر بہت اثر ہوا، اور چپ ہو گیا اتنے میں میری نظر اماں جان کے ہاتھوں پر پڑی وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھی اور عطردان لئے کھڑی تھیں، میں دوڑا، دوڑا ان کے پاس پہنچا انھوں نے میرے رومال پر عطر لگایا۔ اور میرے ہاتھ پر یہ خوبصورت سی گھڑی باندھ دی میں نے ان سے کہا اماں مجھے تو گھڑی دیکھنی آتی نہیں، آپ اس کے دیکھنے کے قاعدے تو بتا دیجئے۔ اماں نے مجھے پیار کر کے تمام قاعدے گھڑی دیکھنے کے بتا دیئے۔ اتنے میں ماموں جان آگئے۔ میں نے انھیں ادب سے سلام کیا بھائی صاحب بھی نئے کپڑے پہنے نکل آئے، اب عید کی نماز کی تیاری ہونے لگی۔ ماموں جان کی موٹر آئی، ہم سب سوار ہو کر عیدگاہ کو روانہ ہوگئے، وہاں پہنچے تو عجیب ماجرا نظر آیا۔ گویا ایک ننھا منھا سا شہر ہے۔ میں نے ابا جان سے کہا، اتنے لوگ کہاں سے آگئے انھوں نے کہا یہ تو کم ہیں، بمبئی کی ۱۵۲ اسنی مسجدوں میں سے کم از کم ۷ میں عید کی نماز ہوتی ہے، اگر ان میں نماز نہ ہو تو ایسے دو میدان بھر جائیں، ایک میدان کی لمبائی، چوڑائی کوئی ۱½ فرلانگ کے قریب ہو، اتنے میں اذان کی آواز سنائی دی، تھوڑی دیر بعد عید کی نماز کھڑی ہوئی میرے ایک طرف والے شخص نے ہاتھ باندھا دوسرے نے چھوڑ دیا، لیکن میں نے وہی کیا جو دینیات کے رسالہ میں پڑھا تھا، نماز ختم

ہوئی، خطبہ شروع ہوا میں تو سمجھ رہا تھا کہ آواز سنائی نہ دے گی لیکن خطیب کے سامنے کچھ رکھا ہوا تھا جس سے سب لوگوں نے خطبہ کو آسانی سے سن لیا، جب خطبہ ختم ہوا تو سب اپنے اپنے گھر روانہ ہونے لگے، کئی ایک پہچان والے شخص ملے۔ ہم سب مل ملا کر گھر روانہ ہوئے، راستے میں میں نے ابا جان سے پوچھا کہ یہ خطیب کے سامنے کیا رکھا ہوا تھا، ابا جان نے کہا، اسے لاؤڈ اسپیکر (Loud speaker) کہتے ہیں اور اسی کی وجہ سے سب کو آواز سنائی دیتی ہے۔ اتنے میں گھر آیا، اماں جان کو سلام کیا، ہاتھ چوما، انھوں نے بلائیں لیں اور پیار کیا۔ بھوک لگ رہی تھی، ناشتہ کیا، بعد میں ماموں جان، چچا جان، نانی اماں وغیرہ کے یہاں گئے۔ پھر ماموں کے لڑکوں کے ساتھ گھر آئے، دوپہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا، تھوڑی دیر تک کھیل کود کر جھولا جھولنے لگے، ابا جان نے بہن کو میلے سے ایک گڑیا لاکر دی تھی، جو اس نے توڑ بھی ڈالی اور مجھے ایک خوب صورت فونٹین پین دیا۔ ننھی کو روتا دیکھ کر میں نے اپنے جمع کئے ہوئے پیسوں سے دوسری گڑیا منگوا دی، اتنے میں خالو جان بھی آگئے پھر نوکر نے آکر کہا کہ موٹر تیار ہے، ہم سب ماموں جان کے بچوں کے چڑیا خانہ گئے، وہاں ابا جان نے چند عجیب درخت دکھائے، جن میں سے دو ذکر کے قابل ہیں۔

ایک کا نام انگریزی میں (Travelled tree) یعنی مسافر کا درخت ہے یہ درخت پنکھے کی طرح ہوتا ہے، اکثر افریقہ کے ریگستان میں پایا جاتا ہے، اس کے تنہ میں سوراخ کرنے سے صاف شفاف پانی نکلتا ہے۔ اور پیاسے مسافر کی پیاس بجھاتا ہے، دوسرا درخت جسے بیل بھی کہیں تو بجا ہے، اکثر درختوں پر اُگ آتی ہے، لیکن یہ اور بیلوں کی طرح نہیں ہوتی بلکہ درخت سے چمٹی ہوئی سیدھی چلی جاتی ہے۔ یہ اپنی خوراک بھی جس درخت پر اگتی ہے اسی سے حاصل کرتی ہے، اسی وجہ سے اسے خونی درخت (Dead tree) کہتے ہیں۔ جانوروں میں شتر مرغ اور پانی کی بلی (Sea lion) کئی ایک قسم کی چڑیاں، شیر ببر، اونٹ، ہاتھی وغیرہ سب دیکھے، ہاتھی پر ہم نے بیٹھنے کی خواہش کی لیکن معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ بندر کو تو خوب چڑایا۔ اس کے بدلے امرود بھی خوب کھلائے، ماموں جان کے ننھے

لڑکے نے شرارت میں ماموں جان کی لکڑی سے بندر کو مارنا شروع کیا، بندر تھا طاقت ور، ایک زور ایسا لگایا کہ ادھر یہ گرے، ادھر وہ، جب ان سے پوچھا گیا کہ کس طرح گرے تو انھوں نے تمام واقعہ بیان کیا۔ ہم تو ہنستے ہنستے تھک گئے، خیر گذری جو چوٹ نہ لگی، لیکن ماموں جان کی لکڑی نہ ملنی تھی نہ ملی۔

عصر کی نماز کے لئے ایک حوض میں وضو کیا اور چڑیا خانہ میں ہی بڑ کے ایک گھن دار درخت کے نیچے نماز پڑھی، چچا جان امام بنے۔ نماز کے بعد سمندر کی سیر کو چلے، اور لانچ میں بیٹھ کر پھرنے نکلے، کئی ایک لڑائی کے جہاز کھڑے تھے، آدھ گھنٹے کے بعد پھر کنارے پر پہنچ کر اتر پڑے، سامنے ہی زبردست ہوٹل ہے، جس میں بڑے بڑے مہاراجہ اُترتے ہیں۔ آئس کریم کی ایک پلیٹ کے چھ آنے لیتے ہیں ہم بھی ضد کر کے گئے، آئس کریم کھائی، بل چکا کر باہر نکلے، قریب ہی عجائب گھر تھا، وہاں گئے عجیب وغریب جانور۔ پرانے زمانے کے بت لکھے ہوئے، پتھر اور بادشاہوں کے ہتھیار دیکھے، پرانے زمانے کے چینی کے برتن ایسے تھے جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ایک ایک ایرانی قالین ایسے خوبصورت کہ اب تک آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں۔ اب مغرب کا وقت آگیا تھا......... مسجد دور تھی اس لئے وہیں باغ میں نماز پڑھی اور موٹر میں سوار ہو کر گھر پہنچے بڑے تو سب تھکن کی وجہ سے لیٹ گئے، مگر ہمیں نیند کہاں ہم اپنے کھلونوں سے کھیلتے رہے، آخر عشاء کی نماز پڑھ کر سب سونے کی تیاریاں کرنے لگے، ہم بھی خوب تھک گئے تھے اس لئے لیٹتے ہی سو گئے

مجھے رمضان کی عید زیادہ پسند ہے، عید الضحیٰ سے نفرت نہیں لیکن اکثر عید الضحیٰ کے موقع پر ہندوستان کے کئی ایک شہروں میں فساد ہو جاتا ہے، مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ قربانی کے موقع پر بے گناہوں کا خون ناحق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے عید الفطر زیادہ پسند ہے، اور عید الفطر کی فضیلت بھی زیادہ ہے۔



(از جناب پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے مسلم یونیورسٹی)

میرے بچو! گرمیاں خوب تڑاقے کی پڑ رہی ہیں، تمھارے اسکولوں میں دو مہینے کی بڑی چھٹیاں شروع ہو چکی ہوں گی، اور تم میں سے اکثر تو بڑے مزے اور آرام سے چھٹیوں کے دن گذار رہے ہوں گے، مگر اس تعطیل کے معنی یہ نہیں کہ اب تم کو دو مہینے تک پڑھنا لکھنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سال بھر تک جو اسکول میں سیکھا ہے۔ اس کو دو مہینے تک اسکول سے باہر رہ کر سمجھو۔ اور یاد رکھو اور کام میں لاؤ۔ یہاں تمھارے پڑھنے کے لئے وقت اور سبق تمھارے اُستاد مقرر کرتے تھے، اب دو مہینے تک تم کو اختیار رہے گا کہ خود اپنا وقت اور سبق مقرر کرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تمھارے اسکول میں بتایا گیا ہے۔ اسے اپنے گھروں پر جا کر خود سمجھو اور ویسا ہی کرو۔ مثلاً تم کو اسکول میں بتایا گیا ہے کہ چھوٹوں سے محبت اور بڑوں کی عزت کرنا چاہئے تم اپنے گھروں کو جاؤ تو اپنے چھوٹے بھائی بہنوں یا دوسرے بچوں سے جو تم سے عمر میں چھوٹے ہیں، ان پر محبت کرو، اپنے ماں باپ، چچا یا اور جو لوگ تم سے بڑے ہیں، ان کی عزت کرو۔

تمھارے ماں باپ نے تم کو اسکول اس لئے بھیجا تھا کہ تمھارے ماسٹر صاحبان تم کو پڑھائیں اور بتائیں کہ کون کام اچھے ہیں۔ اور کون کون بُرے، سال بھر تک ان لوگوں نے تم کو پڑھایا لکھایا سکھایا، اب وہ تم کو تمھارے وطن اور تمھارے ماں باپ، بھائی بہن، دوست اور عزیز کے یہاں بھیجتے ہیں اب وہ لوگ دیکھیں گے کہ تم نے اسکول میں سال بھر تک کیا کیا سیکھا، اس لئے میرے بچو! تم کوئی کام ایسا نہ کرنا جس سے تمھارے اسکول کی بدنامی ہو۔ تمھارے اسکول نے تم کو اچھا اور بڑا بنانے میں کوشش کی ہے۔ اب تم اس کا بدلہ دو، یعنی اپنے اچھے اچھے کام سے لوگوں کو دکھا دو کہ تمھارا اسکول بھی بڑا اور اچھا ہے۔

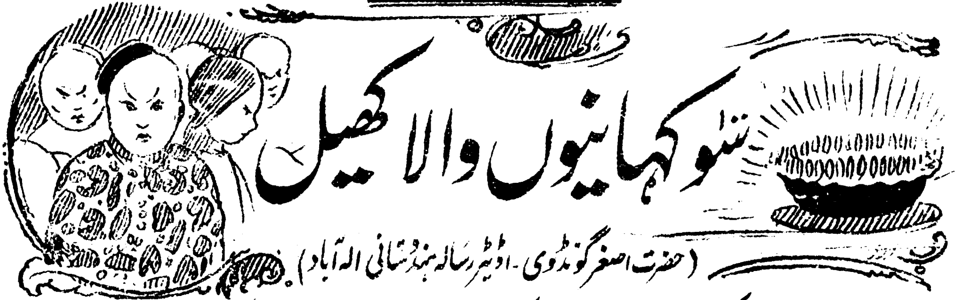
اسکول میں بعض باتیں تمھیں ایسی کرنی پڑتی تھیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا تمھارا دل چاہتا تھا، مثلاً تم کو ٹھیک وقت پر آنا، اور ٹھیک وقت پر گھر جانا پڑتا تھا، جب اسکول کا کام کرکے نہیں آتے تھے، تو تم کو سزا دی جاتی تھی، کھیل میں تم کبھی کبھی ہار جاتے تھے تو دوسرے خوشیاں مناتے تھے، اور تم کو شرمندگی بھی ہوتی تھی لیکن تم کو کبھی اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ تم ہارنے پر رونے لگو، یا گالیاں دو، یا اپنے مقابل سے عداوت رکھنے لگو۔ یہ سب اس لئے کیا جاتا تھا کہ تم کو تکلیف، مصیبت یا شرمندگی جھیلنے کی مردانہ عادت پڑ جائے اور جب تم اپنے گھروں کو جاؤ تو اپنی اس عادت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا یعنی ہمیشہ وقت کی پابندی کرو جیسا کہ اسکول میں کرتے تھے، اگر تم سے غلطی ہو جائے اور تم کو اس کی سزا بھگتنی پڑے، تو اس کی شکایت مت کرو۔ اگر تم کو کہیں ناکامیابی ہو تو نہ روؤ اور نہ برا مانو، اس کو انگریزی میں ڈسپلن، اور اردو میں تنظیم یا باقاعدگی کہتے ہیں۔ تم نے اپنے اسکول میں ڈرل تو کی ہے، جس طرح ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، آنکھ کو قاعدہ کے مطابق جائز طور پر کام میں لانے کو ڈرل کہتے ہیں۔ اسی طرح اپنی محبت، نفرت، لالچ اور فیاضی، رنج اور غصہ کو قاعدہ کے مطابق جائز طور پر کام میں لانے کو ڈسپلن کہتے ہیں، یا یوں سمجھ لو کہ ہاتھ پاؤں کے باقاعدہ رکھنے، اٹھانے بٹھانے کا نام ڈرل ہے اور دل و دماغ کے باقاعدہ کام (یعنی ڈرل) کو ڈسپلن کہتے ہیں۔

دوسری اور آخری بات مجھ کو یہ کہنی ہے کہ چھٹی کو بے کار مت گنوانا، چھٹی کے دن اور اسکول کے دن میں فرق صرف یہ ہے کہ اسکول کے دنوں میں تم کو اسکول کے قاعدوں کی پابندی کرنی پڑتی تھی جبکہ چھٹی کے دن تم کو خود اپنے قاعدوں کی پابندی کرنی ہوگی، میرا خیال ہے کہ تم ایسے قواعد کبھی نہ بناؤ گے جس میں صرف کھیلنا ہی کھیلنا ہو۔ اور پڑھنا لکھنا یا اچھے اچھے کام کرنے کا نام بھی نہ ہو۔ لیکن ممکن ہے تم اب بھی اپنے لئے اچھے قاعدے نہ بنا سکو، اس لئے میں تم کو ایک اشارہ دیتا ہوں اور امید ہے کہ تم اس کو سمجھ جاؤ گے، اسکول کے دنوں میں تم جتنا پڑھتے تھے، اتنا اب کھیل کود اور اچھی اچھی باتوں کے کرنے اور سیکھنے میں گذارنا، اور جتنا اسکول میں کھیلنے کا موقعہ ملتا تھا اسے گھر پر پڑھنے لکھنے میں صرف کرنا۔

یہ باتیں تو صرف کھیلنے کودنے یا لکھنے پڑھنے کے بارہ میں ہوئیں۔ لیکن یہ تو تم محض طالب علم ہونے کی وجہ سے کرتے ہو، تم محض طالب علم ہی تو نہیں ہو، تم آدمی بھی ہو دوسرے آدمیوں نے تمہاری خدمت کی ہے، ماں باپ نے تم کو پیدا کیا، اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر تم کو صاف ستھرے کپڑے پہناتے ہیں، اچھے کھانے کھلاتے ہیں، اچھے اسکول میں پڑھنے بھیجتے ہیں۔ تمہارے چھوٹے بھائی بہن تم کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ تمہارے گاؤں کا چوکیدار جب تم اور تمہارے گھر کے لوگ سو جاتے ہیں رات کے وقت گشت لگا لگا کر تمہارے مال، مکان اور مویشی کو چوروں ڈاکوؤں سے بچاتا ہے، تم بیمار ہوتے ہو تو ڈاکٹر تم کو دوا دیتا ہے اور پھر تندرست بنا دیتا ہے، نائی تمہاری حجامت بناتا ہے، لوہار تمہارے ہل تیار کرتا ہے، جولاہا تمہارے کپڑے تیار کرتا ہے۔ دھوبی تمہارے کپڑے دھوتا ہے، گوالا تمہاری مویشیوں کو چراتا ہے۔ یہاں تک کہ گاؤں کا کتا بھی تم کو دیکھ کر پہچانتا ہے، اور جب تم شام کو مکان پہنچتے ہو تو آبادی کے باہر ہی سے وہ تم کو دیکھ کر اچھلنے کودنے لگتا ہے اور تم کو تمہارے مکان پر پہنچا جاتا ہے۔ اتنے سارے لوگ تم کو آرام پہنچاتے ہیں، تب کہیں تم جا کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور کھانا کھا کر آرام سے اسکول پڑھنے آتے ہو۔

اچھا غور کرو، اگر یہ سارے لوگ تم سے ناراض ہو کر اپنا اپنا کام بند کر دیں تو تم کو کتنی مشکلیں پیش آئیں گی۔ نہ کھانا مل سکے گا، نہ کپڑا، نہ پڑھ سکو گے، نہ آرام کر سکو گے، نہ ہنس سکو گے نہ کھیل کود سکو گے، دوسری طرف یہ لوگ خوش رہیں تو پھر تمہارے لئے چین ہی چین ہے، اس لئے تم کو بھی چاہئے کہ ہمیشہ ان لوگوں کو خوش رکھو اور آرام پہنچاؤ، ان میں سے کسی پر کوئی مصیبت آئے یا ان کو تکلیف ہو تو کوشش کرو کہ ان کی مصیبت اور تکلیف دور یا کم ہو جائے۔ اگر ان میں کوئی بھوکا ہے اور تم سے ہو سکے تو اس کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ۔ کمزور کی مدد کرو۔ روتے کو ہنساؤ۔ یہاں تک کہ تمہارے گاؤں کے کتوں کو کوئی دوسرا کتا تکلیف پہنچائے تو اپنے دوست کتے کی مدد کرو۔ کیونکہ وہ بھی تم کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اور جو تم کو دیکھ کر خوش ہو وہ تمہارا دوست ہے، یہ سب باتیں اسی وقت تم کر سکو گے جب تم دوسروں کے آرام کے لئے خود

تکلیف اٹھاؤگی۔ دوسروں کے لئے تکلیف اٹھانا دنیا میں سب سے اچھی بات ہے۔ اس کو خدمت کہتے ہیں، دوسروں کی خدمت کرنے میں جتنی تکلیف اٹھاؤگے، اتنے ہی بڑے آدمی کہلاؤگے۔



سو کہانیوں والا کھیل

(حضرت اصغر گونڈوی۔ اڈیٹر رسالہ ہندستانی الہ آباد)

جاپانی لڑکے یہ کھیل اپنے گھر میں بیٹھ کر جاڑے کے موسم میں کھیلتے ہیں۔ لڑکے لڑکیاں سب کے سب ساتھ مل کر اسے کھیلتے ہیں، اس طرح کہ گھر کی کسی دوسری کوٹھری میں ایک چراغ جلایا جاتا ہے، اس چراغ میں علیحدہ علیحدہ سو بتیاں روشن کی جاتی ہیں اب یہ سب کھیلنے والے گھر کے کسی دوسرے کمرے میں جاکر بیٹھتے ہیں پھر کوئی مشاق کہانی کہنے والا لڑکا کہانی شروع کرتا ہے۔ جب ایک کہانی ختم ہو جاتی ہے تو ایک لڑکا اکیلے اٹھ کر اس کوٹھری میں، جس میں چراغ جلتا ہے، آہستہ آہستہ جاتا ہے اور جلتے ہوئے چراغ میں سے ایک بتی نکال لاتا ہے اس طرح ایک بتی کے بعد دوسری بتی پھر تیسری بتی ایک ایک کہانی کہہ کر نکالی جاتی ہے۔ اب آہستہ آہستہ چراغ کی روشنی مدھم ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ سویں کہانی کے بعد وہ لڑکا جو سب سے آخر میں جاتا ہے اور جسے آخری سویں بتی نکالنا پڑتی ہے کہا جاتا ہے کہ رات کو کوئی بہت ہی ڈراؤنا خواب دیکھتا ہے۔



بارش بھئی اب ذرا آرام کرلو، اتنے عرصہ کے بعد تو دنیا والوں سے ملنے کا ارادہ کر رہی ہوں اور تم ہو کہ ابھی تک اس بے ڈھنگے پن سے ان بے چاروں پر آگ برسا رہے ہو اور یہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لیتے

سورج - یہ زمین اس قدر خوب صورت ہے کہ میری طبیعت یہاں سے جانے کو نہیں چاہتی۔

بارش میں بہت دیر تک نہ ٹھہروں گی، یہی کوئی دس پانچ منٹ! تمھاری یہی خوشی ہے تو میں ایک ہلکا سا چھینٹا دوں گی، اور بس"

سورج لیکن میں جانا نہیں چاہتا، پانچ منٹ کے لئے بھی! زمین پر بہت سی نئی کلیاں اور پھول ایسے ہیں جنھیں میں پیار کرتا ہوں، یہی نہیں بہت سی ننھی ننھی چڑیوں کو بھی جو انڈوں سے ابھی نکلی ہیں اور پھدکتی پھرتی ہیں انھیں میں خوب صورت دنیا میں آنے پہ مبارک باد دوں گا، اور اپنی گرمی سے انھیں طاقت پہنچاؤں گا، تم ابھی کچھ دیر اور ٹھہرو، دن کے وقت انھیں تمھاری ضرورت نہیں میری اور بات ہے، رات تک انتظار کرو میں تو اس وقت بہت دور دوسری دنیا میں چلا جاؤں گا، میری جگہ یہاں چاند ہوگا اور ستارے۔ اگر تم ایک دو گھنٹے کے لئے ان کو اپنے بادلوں سے ڈھانپ لوگی تو انھیں اس کی کچھ پروا نہ ہوگی، اور زمین کا یہ حصہ نیند میں اس قدر کھویا ہوا ہوگا کہ ان کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا اسے پتہ بھی نہ چلے گا۔

بارش تم چیزوں کو رنگ اور طاقت تو دیتے ہو لیکن کبھی کبھی تمھاری گرمی ضرورت سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔

دیکھو اب تمھاری گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ پھول جنھیں تم اتنا چاہتے ہو، جلد ہی خشک ہو کر مرجھا جائیں گے۔ گھاس نڈھال ہو کر زمین کی طرف جھک جائے گی۔ اور چڑیاں گانا بند کر دیں گی جب تک میں چمکتے ہوئے ننھے ننھے قطرے انھیں آرام پہنچانے کے لئے نہ بھیجوں یہ سب تمھاری گرمی سے بے حال رہیں گے۔ بات ہی کیا ہے کچھ دیر کے لئے ایک بادل کے پیچھے چھپ جاؤ، دیکھ لینا جب تم پھر نکلو گے تو تمھیں زمین پہلے سے خوب صورت ملے گی تمام گرد اور دھبے دُھل جائیں گے گھاس پہلے سے زیادہ سبز اور پھول چمکدار ہوں گے، بھئی سورج جو میں کہتی ہوں وہی کرو۔"

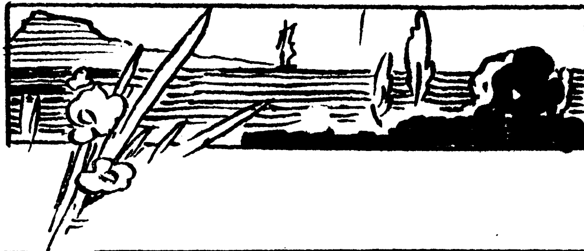
لیکن جولائی کے اس گرم دن میں سورج ضد پر تلا ہوا تھا۔ وہ بادل کے پیچھے بھلا کیوں چھپنے لگا۔ بارش شروع ہو گئی۔ اور وہ برابر چمکتا رہا۔

اس نے نیچے نگاہ جھکائی تو دیکھا کہ چمکتے ہوئے قطروں کے زمین پر پہنچتے ہی خوب صورت کلیاں اپنی نازک پنکھڑیاں کھولنے لگیں۔ گھاس سیدھی ہو گئی اور پھولوں کے جھکے ہوئے سر اوپر اُٹھ گئے۔

"تم واقعی سچ کہتی تھیں" سورج نے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ سے آسمان میں ایک محراب بن گئی جو بارش کے بند ہو جانے تک طرح طرح کے رنگوں کے ساتھ چمکتی رہی۔

پیام بھائیوں نے اسکول سے گھر لوٹتے وقت اُسے دیکھا اور خوشی میں چلا کر کہنے لگے، قوس قزح پیاری، پیاری دھنک!! آؤ اس کمان تک دوڑ چلیں!!!

(ماخوذ)



مختلف بنکوں کی سیر

(طلبائے تعلیمی مرکز نمبر۱ جامعہ ملیہ)

مئی کے پرچے میں بچوں کا بنک اور دوکان کے عنوان سے ایک مضمون شائع کر چکے ہیں۔ آج ہم ایک اور دل چسپ مضمون شائع کر رہے ہیں، جامعہ تعلیمی مرکز نمبر(۱) کے چند بچے دلی کے بہت سے بنکوں کی سیر کرنے گئے تھے۔ وہاں سے واپس آکر انھوں نے ان کے حالات پر ایک مضمون بھی لکھا، اور جلسے میں پڑھ کر سنایا، اس مضمون سے تمھیں بنک کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ (ایڈیٹر)

ہم لوگوں کا پہلے سے ارادہ تھا کہ ہمارے بنک میں پانچ سو سے زیادہ روپیہ جمع ہو جائے تو ایک شاندار جلسہ منعقد کیا جائے[۵]، اور جب اتنی رقم جمع ہو گئی تو جلسے کی تیاریاں زور شور سے ہونے لگیں، طالب علموں کو مختلف کام تقسیم کئے گئے، ہمیں یہ کام بتایا گیا کہ دہلی کے مختلف بنکوں کو دیکھ کر ان کے مختصر سے حالات لکھیں، اور یہ حالات جلسے میں سنائیں۔

۱۹ فروری سنہ ۳۴ء کو ہم تیرہ۱۳ طالب علم شہر میں گئے، کہ مختلف بنکوں کی سیر کریں اور دیکھیں کہ اور بنکوں میں بھی ایسا ہی کام ہوتا ہے جیسے ہمارے بنک میں یا ان کے کام کرنے کا طریقہ دوسرا ہے، ہمارے ساتھ مدرسے کے دو ماسٹر صاحبان بھی تھے، سب سے پہلے ہم نیشنل بنک گئے، وہاں کے محاسب صاحب ہمارے ماسٹر صاحب اور ہم سے بڑی اچھی طرح پیش آئے، اس بنک کو دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی، ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ بھی ہمارے بنک سے ملتا جلتا ہوگا، مگر وہاں تو شان

---

۵ یہ جلسہ فروری ۳۴ء میں ہو چکا ہے، مختصر سے حالات مارچ کے پرچے میں دئے جا چکے ہیں۔

ہی اور تھی، بہت بڑی اور کھلی ہوئی عمارت تھی، خاصی خوب صورت، سب الگ الگ خاموشی سے کام کر رہے تھے، کسی قسم کا شور نہیں تھا یہ دیکھ کر اور بھی تعجب ہوا کہ اتنا بڑا بنک ہے، بہت سے لوگ روپیہ جمع کرا رہے ہیں، مگر ذرا بھی چپقلش نہیں، ہمارے بنک کی طرح نہیں کہ لڑکے شور مچا رہے ہیں کوئی کہتا ہے پہلے میرا جمع کرلو، کوئی کہتا ہے پہلے میرا جمع کرلو عجیب دھکا پیلی ہوا کرتی ہے یہ بری بات ہے مگر اس کی خاص وجہ بھی ہے کہ ہم اور لوگوں کی طرح آزاد تو ہیں نہیں اس لئے ہمیں سب کا روپیہ ایک ہی وقت میں جمع کرنا پڑتا ہے اور سب چاہتے ہیں کہ پہلے میرا جمع ہو جائے تو اچھا ہے۔

بنک کے محاسب صاحب ہمیں خزانچی صاحب کے پاس لے گئے، ان کے پاس روپیہ آتا ہے، روپیہ ملنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "روپیہ وصول پایا" پھر دستخط کرتے اور مہر لگا دیتے ہیں پھر محاسب صاحب نے ایک صاحب کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ان کا کام یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب کسی دوسری جگہ روپیہ بھجوانا چاہیں تو یہ انتظام کر دیتے ہیں، ہم نے ان سے پوچھا کیا آپ کے یہاں بھی دس روپے سے زیادہ قرض دینے کا قاعدہ نہیں انھوں نے جواب دیا نہیں، ہمارے یہاں جتنے کی ضرورت ہو اتنے ہی مل سکتے ہیں، لیکن ہم پہلے یہ اطمینان کر لیتے ہیں کہ یہ ہمیں روپیہ واپس بھی دے سکے گا یا نہیں، ہم نے ان سے اور بھی سوال کئے جنھیں ہم نیچے لکھتے ہیں۔

ہم:۔ یہاں شروع میں کتنے روپے جمع کر سکتے ہیں۔

محاسب: پانچ سو۔

ہم:۔ آپ کا بنک کب قائم ہوا۔

محاسب:۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں۔

ہم:۔ اس بنک سے کب کب روپیہ نکلوا سکتے ہیں۔

محاسب:۔ روپے جمع کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ **زرِ رواں** (تاجر یا کاروباری لوگ صبح سے شام تک جو بکری کرتے ہیں وہ شام کو بنک میں داخل کر دیتے ہیں، اور صبح کو نکلوا لیتے

ہیں۔ یا اسی قسم کی اور بہت سی صورتیں ہیں۔) یہ روز نکلوا سکتے ہیں۔

۲۔ زرِ امانت: (وہ روپیہ جو امانت کے طور پر رکھ دیا جائے) یہ ہفتہ میں ایک بار نکلوا سکتے ہیں۔

۳۔ زرِ میعادی (یعنی میعاد مقرر کر دی جائے کہ اتنے دنوں تک ہم اپنا روپیہ بنک میں رکھیں گے) سال میں ایک بار یا دو بار نکلوا سکتے ہیں

ہم:۔ آپ نفع کس حساب سے دیتے ہیں۔

محاسب:۔ جن کا بنک میں حصہ ہے انھیں سَو پر بیس روپے کے حساب سے نفع ملتا ہے اور جو حصہ دار نہیں بلکہ ان کا صرف روپیہ بنک میں جمع ہے انھیں ۲½ روپیہ سینکڑہ تقسیم ہوتا ہے۔

ہم:۔ آپ یہ روپیہ کس کام میں لگاتے ہیں۔

محاسب: کپڑے اور دوسری چیزوں کی تجارت پر

اس پر ہم نے کہا ہم بھی اپنا روپیہ بچوں کی دوکان اور مکتبہ پر لگاتے ہیں۔ ہماری درخواست پر محاسب صاحب نے اپنی پاس بک بھی دکھائی یہ پاس بک ہماری پاس بک سے بہت ملتی جلتی تھی اگر ہم کسی سے پوچھتے کہ بتاؤ کون سی پاس بک اچھی ہے، تو یقیناً اس کا جواب وہ یہ دیتا کہ دونوں اچھے بنکوں کی ہیں

ہم محاسب صاحب کا بہت بہت شکریہ ادا کرنے کے بعد یہاں سے رخصت ہوئے۔

الٰہ آباد بنک:۔ اس کے بعد ہم الٰہ آباد بنک گئے اس کی عمارت بہت اچھی اور خوب صورت تھی، مگر افسوس ہے کہ محاسب صاحب کو اس وقت فرصت نہیں تھی، مگر انھوں نے وعدہ کیا کہ میں اتوار کے دن تمھارے مدرسے میں تقریر کروں گا۔ اس وقت جو تم سوال کروگے ان کا جواب دیا جائے گا۔

سنٹرل بنک:۔ یہاں سے ہم سنٹرل بنک پہنچے یہاں کے محاسب صاحب بھی بہت اچھے آدمی تھے، انھوں نے ہماری پاس بک اور چک بک دیکھی، پھر تھوڑی دیر بعد سوچ کر چپراسی کو حکم دیا کہ پورا بنک ہم کو دکھا دے لیکن فوراً ہی کہا کہ چپراسی آپ کو کیا خاک

بتلائے گا، اگر آپ چار بجے آئیں تو میں آپ کو سب کچھ دکھا دوں گا، مگر اس روز ڈاکٹر بہجت وہبی صاحب کا لیکچر تھا، اور ہمارے ماسٹر صاحبان اس میں منتظم تھے، اس لئے ہم نے کہا، افسوس ہے کہ ہم تمام کو نہیں آسکتے، اس پر انھوں نے اپنے بنک کے چند قاعدے ہمیں دے دئے جن میں سے کچھ ہم یہاں لکھتے ہیں۔

سنٹرل بنک کا صدر دفتر بمبئی میں ہے، اس میں کم از کم دس روپے جمع کر سکتے ہیں، اس کی شاخیں دہلی، رنگون، حیدرآباد، مدراس اور بہت سے شہروں میں ہیں، اس بنک سے زرِ امانت ہفتہ میں دو بار نکلوا سکتے ہیں۔ لیکن پانسو یا اس سے زیادہ روپیہ نکلوانے ہوں تو دس دن سے پہلے اطلاع دینی ضروری ہے۔

لائڈز بنک:- اس کے بعد ہم لائڈ بنک گئے، یہ بھی بہت بڑا بنک ہے، اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہیں۔

اس بنک میں کم از کم پانچ روپے جمع کر سکتے ہیں، لیکن ایک مہینے میں بہت زیادہ روپیہ جمع نہیں کر سکتے، مثلاً اگر کوئی تین ہزار سے زیادہ روپیہ جمع کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، بنک کے محاسب کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس کا چاہے حساب کھولے اور جس کا چاہے بند کر دے۔ یہ بنک ۱۸۷۷ء میں قائم ہوا، اس کے منیجر صاحب بھی بڑے شریف آدمی تھے، انھوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ کسی فرصت کے وقت انشاء اللہ ہم کو بہت سی باتیں بتائیں گے

امپیریل بنک:- یہاں سے ہم امپیریل بنک گئے لیکن اس بنک کو دیکھنے کے لئے پہلے سے اجازت لینی پڑتی ہے اور اجازت ہم نے لی نہیں تھی اس لئے ہم دیکھ نہیں سکے، اور ایک بجے کے قریب گھر کو واپس ہوئے۔

اس دن کی سیر سے ہمیں بہت ہی فائدے ہوئے، ایک تو ہم نے بہت سے بنک دیکھ لئے، دوسرے مختلف بنکوں کے محاسب اور منیجر صاحبان سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے ہمیں بنک کے بارے میں بہت ہی اچھی



بمبئی کے چند سائکل سوار - سائکلوں پر ایک ہزار میل لمبے سفر کے لئے روانہ ہو رہے
ہیں - یہ سب شمالی ہندوستان کا چکر لگائینگے



بمبئی میں پچھلے دنوں ایک باون فٹ کی ویل مچھلی سمندر کی لہروں کے زور میں کنارے پر آگئی- اور پھر لوٹ کر نہ جاسکی دور دور سے لوگ سمندر کے اس دیو کا تماشا دیکھنے کے لئے اُمڈے آرہے ھیں-

Calcutta Art Press, Delhi,

اچھی اور مفید باتیں بتائیں۔

یہ ہمارا پہلا موقع تھا، اس لئے ہم سے ایک غلطی ہوگئی، اور وہ یہ کہ ہم نے بنک کے منیجر صاحبان سے پہلے سے ان کے بنک دیکھنے کی اجازت نہیں لی، اگر ہم ایسا کرتے تو ہمیں بہت آسانیاں ہوجاتیں اگر طالب علم بنکوں کی سیر کرنا چاہیں تو پہلے اجازت حاصل کرلیں۔



لطیفے



ماسٹر:۔ رامو بتاؤ کپڑا کسے کہتے ہیں۔

رامو:۔ مجھے معلوم نہیں۔ ماسٹر صاحب

ماسٹر:۔ اچھا یہ بتاؤ، تمہارا کوٹ کس چیز سے بنا ہے۔

رامو:۔ یہ تو میرے باپ کے کوٹ سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

ماسٹر:۔ تمھاری کیا عمر ہے۔

نیا لڑکا:۔ مجھے معلوم نہیں۔

ماسٹر:۔ تم کب پیدا ہوئے

نیا لڑکا:۔ میں پیدا نہیں ہوا تھا میری ماں سوتیلی ہے

ماسٹر:۔ فرض کرو تمہارے پاس ایک آم تھا وہ تم نے کھالیا، اب باقی کیا بچا؟

طالب علم:۔ چھلکا اور گٹھلی۔

ماسٹر:۔ نہیں نہیں یہ مطلب نہیں ہے اچھا یوں سہی یہ بتاؤ تمہارے پاس ایک سو پیہ تھا اور تمھاری جیب میں تھا سوراخ وہ روپیہ اس سوراخ میں سے نکل گیا۔ تو اب بتاؤ کیا باقی بچا۔

طالب علم:۔ سوراخ۔

اپنی ماں کے ہاتھ سے مار کھانے کی داستان

(از آمنہ خاتون - لدھیانہ)

مجھے خوب یاد ہے، جب میں چھوٹی سی تھی تو میرے چچازاد بھائی کا بیاہ ہونے والا تھا، ظاہر ہے شادی میں ہم سب کا شریک ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ اماں جان۔ میرے بھائی بہنوں کو لے کر شادی میں شریک ہونے چلی گئیں۔ میں ان دنوں کچھ بیمار تھی، اس لئے مجھے مجبوراً گھر پر ہی رہنا پڑا، گھر میں، دادا میاں، اور ایک نوکرانی، بس تین آدمی ہی رہ گئے تھے۔ دادا میاں تو دن بھر کچہری میں رہتے تھے۔ اس لئے سوائے نوکرانی کے میرے پاس اور کوئی نہیں ہوتا تھا، بڑا جی گھبراتا تھا، چھوٹی سی تو تھی ہی طرح طرح کی شرارتیں سوجھتی تھیں اور خیال آتا تھا کہ کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہئے، جس سے دل بہلے اور وقت کٹے، سوچتے سوچتے آخر ایک شرارت سوجھ ہی گئی، میں نے اپنی نوکرانی کو حکم دیا کہ دیا سلائی کی ڈبیہ لے آئے، وہ کہنے لگی چھوٹی بی دیا سلائی کا کیا کروگی" میں نے اُسے ڈانٹا کہ تجھے اس سے کیا مطلب" یہ سن کر وہ کچھ بڑبڑانے لگی مجھے بھلا اس کی کہاں تاب، بڑھ کے ایک تھپڑ منہ پر رسید کیا۔ وہ رونے لگی اور دوڑ کر باورچی خانے سے دیا سلائی کی ڈبیا اٹھا لائی۔ اب میں نے کیا کیا گھر کے چھپر میں آگ لگا دی۔ اور الگ کھڑی ہو کر تماشا دیکھنے لگی۔

آپ تو میری اس حماقت پر غصہ سے دانت پیس رہے ہوں گے، مگر میری مارے خوشی کے اس وقت عجیب حالت تھی، غرض اسی دلچسپی اور شغل میں چار بج گئے۔ اور دادا میاں کے کچہری سے لوٹنے کا وقت قریب آگیا۔ میں شرارت سے جھجکتی چلاتی باہر گئی، باہر جاکر دادا میاں دور سے آتے ہوئے نظر پڑے۔ اب تو میرے اوسان خطا ہونے لگے، فوراً بھاگ کر گھر میں آئی، اور پانی کا گھڑا باہر کی گھڑونچی

سے اٹھا کر اندر برآمدے میں رکھنے لگی، بدحواس تو تھی ہی گھڑا ہاتھ سے چھوٹ گیا اور نیچے گرتے ہی پھوٹ گیا، میں اور بھی پریشان ہوئی، گھبرا کر باہر گئی کہ دیکھوں دادا میاں آ تو نہیں گئے، وہ سچ مچ بہت قریب پہنچ گئے تھے، میں جلدی سے اپنی چارپائی پر جا کر دم سادھ کر لیٹ گئی۔ مگر میرے چہرے سے شرارت ٹپک رہی تھی دادا میاں اندر آئے تو میں نے ادب سے سلام کیا۔ جب ان کی نظر چھپیر کی طرف گئی تو بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے، بیٹی! اس چھپیر پر کیا مصیبت آئی۔ میں نے کہا دادا میاں مجھے بالکل خبر نہیں۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ اماں کبھی کبھی ذکر کیا کرتی تھیں کہ ہمارے گھر میں ایک بزرگ رہتے ہیں، کہیں یہ ان کی حرکت نہ ہو یا پھر اس نوکرانی کی شرارت ہو گی، دادا میاں معلوم نہیں کیا سمجھ کر چپ ہو گئے جب رات کو سب کھا پی کر فارغ ہو گئے اور سونے کے لئے لیٹے تو میں نے شکر ادا کیا۔ کہ دادا میاں کو میری شرارت کا پتہ نہیں چلا، ورنہ خوب ٹھپس ہوتی۔

دوسرے دن دادا میاں پھر کچہری چلے گئے اور میں دن بھر شرارتیں کرنے کے لئے آزاد رہ گئی، اب مجھے کیا سوجھی کہ اوپر کی منزل پر پہنچ کر لحاف پھاڑا، اور اس میں سے روئی نکالی، پھر نیچے آئی۔ اماں کی سینے پرونے کی بقچیا میں سے ریشم نکالا اور گیند بنائی پھر نوکرانی کو حکم دیا کہ ایک تختی لاؤ، اس نے پھر انکار کیا۔ مجھے بڑا تاؤ آیا، اتفاق سے پاس ہی ایک لکڑی پڑی تھی، میں نے بے تحاشا اس کے سر پر بڑی زور سے ماری، لکڑی میں کہیں کیل لگی تھی۔ وہ اس کے سر میں گھس گئی اور بھل بھل خون نکلنے لگا اب تو میری مارے ڈر کے بری حالت ہو گئی۔ میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ خدا کے لئے دادا میاں کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے۔ میں دوڑی دوڑی بالاخانے پر گئی، اماں کی نئی ریشمی چادر قینچی سے کتری اور اس میں سے ایک ٹکڑا نکال کر اس کے زخم میں گھسیڑ دیا۔ اس لئے کہ میں نے کسی کو کہتے سنا تھا کہ خون بند کرنے کے لئے زخم میں ریشم بھر دیتے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ جلا کر بھرتے ہیں یا یوں ہی بغیر جلائے۔ میں نے تو یوں ہی بھر دیا۔ اس سے کم سے کم اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ خون کم کم نکلنے لگا۔

یہ دو تین دن یوں ہی گذر گئے ، اور دلوا میاں کو میری شرارتوں کا پتہ نہ لگا ۔ مگر وہ جو کہتے ہیں بکرے کی اماں کب تک خیر منائے ، وہی حالت میری ہوئی ، اماں جو شادی سے لوٹ کر آئیں اور گھر کی یہ رنگت دیکھی کہ چھپر جلا ہوا ، لحاف پھٹا ہوا ریشم کی نئی اور قیمتی چادر قینچی سے کٹی ہوئی ، سینے پرونے کی پٹچیا بالکل خراب حالت میں ادھر ادھر پڑی ہوئی ۔ اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ نوکرنی کے سر میں اتنا گہرا زخم کہ جس کی تکلیف سے وہ سخت بے قرار تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ۔ مگر انھوں نے بڑے صبر اور ضبط سے کام لیا ، پہلے ڈاکٹر کو بلوایا اور نوکرنی کے زخم کی مرہم پٹی کرائی جس سے اس غریب کو آرام آگیا ۔ پھر مجھ غریب کی شامت آئی اور چھڑی لے کر مجھے جو مارنا شروع کیا تو اتنا پیٹا کہ چھٹی کا دودھ ہی تو یاد آگیا ۔ سارے بدن پر چھڑیوں کے نشان ابھر آئے ۔ پھر میں نے اماں سے بڑی عاجزی سے معافی مانگی اور توبہ کی کہ دوبارہ شرارت نہیں کروں گی ، تب کہیں نجات ملی ۔ وہ دن ہے اور آج کا دن بھائی میں نے شرارت سے کان پکڑا

اپنے قبضہ میں کرو

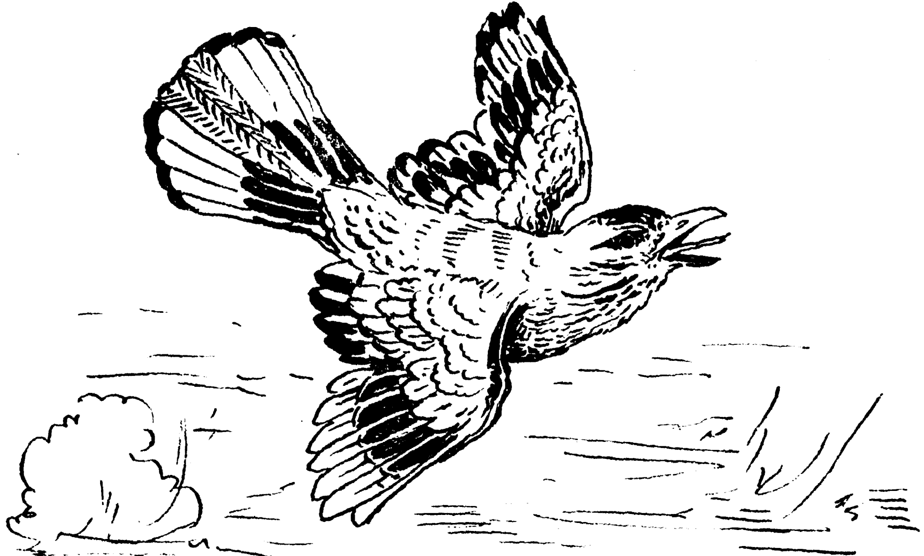
(از سید مسعود علی ۔ میرٹھ)

لالچی کو ـــــــ روپے سے
مغرور کو ـــــــ خوشامد سے
بیوقوف کو ـــــــ تعریف سے
عقل مند کو ـــــــ سچائی اور اچھے اخلاق سے
نوکر کو ـــــــ مہربانی سے
ظالم کو ـــــــ اطاعت سے
ماتحتوں کو ـــــــ نرمی سے
دولت کو ـــــــ تجارت سے
آزادی کو ـــــــ اتفاق سے
پڑوسی کو ـــــــ ہمدردی سے
صحت کو ـــــــ ورزش سے
امتحان کو ـــــــ محنت سے

نیل کنٹھ

از

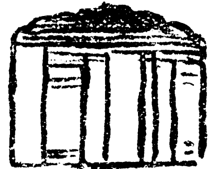
(جناب ع ، ع ، صاحب)



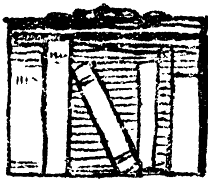
دسہرے کے تیوہار میں نیل کنٹھ کا درشن نیک شگون سمجھا جاتا ہے ۔ نیل کنٹھ کے اندرونی پروں کی چمک دمک راجاؤں اور بادشاہوں کے قیمتی لباسوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتی ، جب یہ اڑتا ہے تو اس کے پروں کا رنگ روشنی میں خوب چمکتا ہے ۔ لیکن اگر کوئی اسے پیڑ پر بیٹھا ہوا دیکھے تو یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ اس قدر خوب صورت ہوگا ۔ اس لئے کہ اس کی گردن ، سر اور اوپر کے پروں کے رنگ میں اتنی چمک نہیں ہوتی نر اور مادہ دونوں کی شکلیں ایک سی ہوتی ہیں ۔

نیل کنٹھ کو کسان بہت چاہتے ہیں اس لئے کہ اس کی خوراک وہ کیڑے ہیں جو کھیتی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ اکثر درخت کی ٹہنی پر بیٹھا ہوا کیڑوں کی تاک میں زمین کی طرف دیکھا کرتا ہے، اور جوں ہی کوئی کیڑا رینگا میاں نیل کنٹھ نے جھپٹ کر اپنی لمبی چونچ میں اسے دبایا اور چٹ کر گئے۔

ہر سال مارچ میں نیل کنٹھ کو گھر بنانے کی سوجھتی ہے۔ پہلا کام ساتھی کی تلاش ہے، اس زمانے میں یہ چڑیاں بہت شور مچاتی ہیں۔ نیل کنٹھ کے پر جتنے خوب صورت ہوتے ہیں، اس کی آواز اتنی ہی بے سُری ہوتی ہے، اس زمانے میں نیل کنٹھ عجیب عجیب کھیل تماشے دکھاتا ہے کبھی ہوا میں اڑتے اڑتے ایک دم پر جوڑ کر نیچے گرنے لگتا ہے۔ اور جب زمین تھوڑی دور رہ جاتی ہے تو یک بیک کلا کاٹ کر دوسری طرف اُڑ جاتا ہے۔ یہ سب کھیل تماشے اس لئے ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے کو پسند کرے اور اس طرح جوڑا جوڑا الگ ہو جائے۔ اس کے بعد ہر ایک جوڑا گھونسلا بنانے کی فکر میں ادھر ادھر پھرتا ہے۔ اور مناسب جگہ کی تلاش کرتا ہے، کوئی تو درخت کے کھوکھل تنے میں اور کوئی کسی پرانی عمارت کی دیوار میں سوکھی گھاس اور تنکے کا گھونسلا بناتا ہے۔ جب گھر بن جاتا ہے تو مادہ چار انڈے دیتی ہے اور انھیں چودہ دن تک سیتی ہے اب انڈے سے چھوٹے چھوٹے بچے نکلتے ہیں ان بچوں کو نہ تو کچھ سوجھتا ہے اور نہ ان کے جسم پر روئیں ہوتے ہیں لیکن آدمی کے بچوں کی طرح شور یہ پہلے دن سے ہی مچانے لگتے ہیں۔ ان بچوں کے ماں باپ کیڑے مکوڑے سے ان کی خوب پرورش کرتے ہیں۔ بائیس دن میں یہ بچے اپنے ماں باپ کے برابر ہو جاتے ہیں اور گھونسلے سے پُھر سے اُڑ جاتے ہیں آدمی کے بچوں کی طرح نہیں کہ جب تک انا انھیں انگلی پکڑ کر نہ چلائے ان کے قدم بھی نہیں اٹھتے



پڑھنے کی کتابیں



ارمغانِ عرب

از جناب ایم اسلم

جناب ایم اسلم پنجاب کے بہت مشہور مصنف ہیں، ان کی بہت اچھی اچھی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ خاص کر ان کی تصنیف "مزاحی" تو بہت پسند کی گئی ہے۔ یہ سب کتابیں بڑوں کے لئے ہیں۔ بچوں کے لئے بھی کچھ کتابیں آپ نے بہت آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی ہیں۔ انھیں میں سے ایک ارمغانِ عرب ہے۔ اس میں انھوں نے شروع میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ بیان کیا ہے۔ ان کے زمانے میں جو ترقیاں ہوئیں، جو ملک فتح ہوئے ان کا ذکر ہے۔ اور پھر آخر میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ کس طرح ایک بدو سے شہر کے باہر آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس کی بیوی کے بچہ ہونے والا تھا اور وہ بالکل بے یار و مددگار سفر کی حالت میں شہر کے باہر خیمہ میں پڑا تھا، رات کا وقت تھا، اس ہو کے میدان میں کہیں سے مدد ملنے کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ ایسے وقت میں حضرت عمر کسی بھولے بھٹکے کی تلاش میں ادھر آ نکلتے ہیں۔ اور اچانک اس بدو سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اس کی حالت معلوم کر کے اسلام کا یہ خلیفہ دوڑتا ہوا گھر واپس جاتا ہے۔ اور اپنی بیوی کو لے فوراً لوٹتا ہے، خلیفہ کی یہ محترم حرم بدو کی دائی بنتی ہیں اور خیر سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ویسے تو پوری کتاب بہت دلچسپ ہے لیکن یہ قصہ تو انھوں نے ایسے دلچسپ انداز میں لکھا ہے کہ پڑھ کر بڑا اثر ہوتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا خلیفہ اتنا بڑا عہدہ رکھنے پر بھی ایک دیہاتی گنوار سے بھی برابری کا برتاؤ ہی نہیں کرتا بلکہ ایک خادم کی طرح اس کی خدمت کرتا ہے۔ اس قصہ کے بیچ بیچ میں انھوں نے اللہ میاں کا ایک ہونا، شرک کی برائی، نماز روزہ، غرض اسلام کی بہت سی باتیں، بہت ہی آسان اور سہل عبارت میں بیان کی ہیں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ سب باتیں اچھی ہیں۔ قیمت ۴ر مکتبہ جامعہ سے مل سکتی ہے۔

اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں

از مولینا محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی

لکچرار مدراس یونیورسٹی۔ مولانا محمد حسین صاحب محوی سے تم تو اچھی طرح واقف ہو گئے۔ مولینا پیامِ تعلیم کے پرانے مضمون نگار ہیں، ان کی اچھی اچھی نظمیں اور دلچسپ اور مفید مضمون اکثر پیامِ تعلیم میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کتاب بھی انھوں نے تمھارے لئے لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے اسلامی خلفا، بادشاہوں، امیروں، عالموں، صوفیوں کے اچھے اور سچے اخلاقی قصے بہت ہی سادہ سہل اور دلچسپ انداز میں لکھے ہیں۔ ان قصوں کو پڑھ کر ہمیں یقین ہے کہ تم پر ضرور اثر ہوگا، ایک طرف تو تمھیں یہ اندازہ ہوگا کہ ہمارے بزرگ کیسے ہوتے تھے۔ اور دوسری طرف تم میں یہ شوق پیدا ہوگا۔ کہ ہم بھی اپنے میں یہ خوبیاں پیدا کر کے انھیں جیسے کیوں نہ بن جائیں۔ غرض انھوں نے یہ بہت ہی مفید کام کیا ہے اللہ انھیں اس کی جزا دے۔

یہ کتاب دو حصوں میں ہے، پہلے حصے میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں۔ اور دوسرے میں ذرا بڑی، پہلے کی قیمت ۲ر ہے اور دوسرے کی ۸ر مکتبہ جامعہ سے ملے گی۔

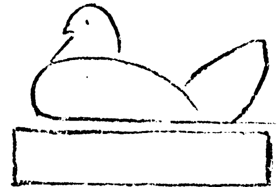
تصویر بنانے کا آسان طریقہ

(۱) مرغی انڈوں پر بیٹھی ہے

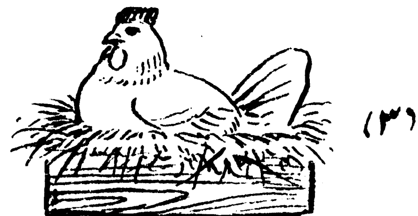
(۲) مرغ دانہ تلاش کر رہا ہے



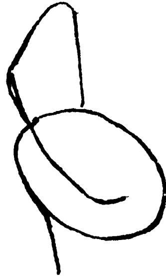
(۱)



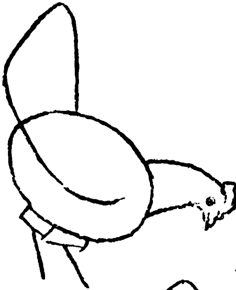
(۲)



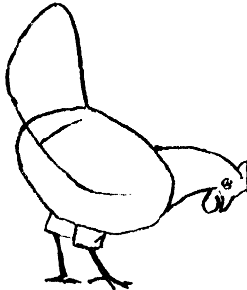
(۳)



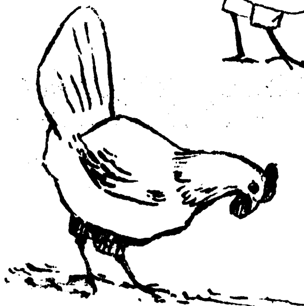
(۱)



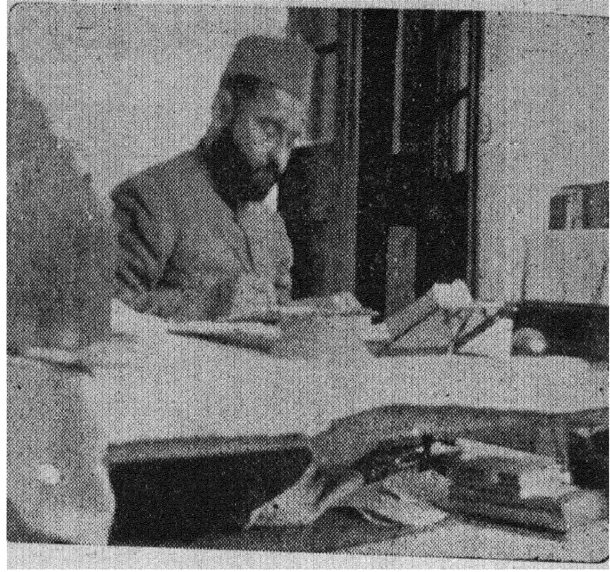
(۲)



(۳)



(۴)

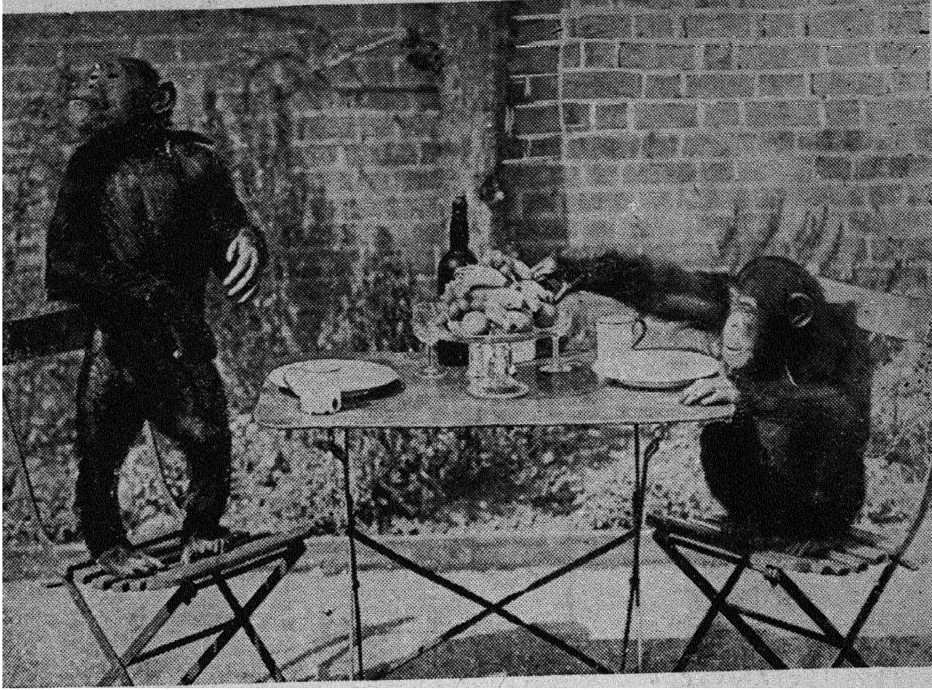


ہماری جامعہ گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد یکم اگست کو کھل گئی ہے اس تصویر میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایم اے پی اچ ڈی - (شیخ الجامعہ) اپنے دفتر میں کام کر رہے ہیں



مس فلپس بورن صاحبہ - آپ جرمنی کی رہنے والی ہیں - ہماری جامعہ میں کوئی دو سال سے تشریف رکھتی ہیں - جامعہ کے چھوٹے بچوں کی دیکھہ بھال اور صفائی ستھرائی انھیں کے ذمے ہے - بچے ان سے بہت خوش رہتے ہیں اور محبت میں انہیں آپاجان کہتے ہیں

Calcutta Art Press, Delhi.



چمپانزی کا حال ، افریقہ کے چند جانوروں کے سلسلے میں جنوری کے پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو آج ہم تمہاری دلچسپی کے لئے یہ بڑی اچھی تصویر دیتے ہیں - اوپر کے دونوں چمپانزی ایک عجائب خانہ میں ہیں - اور بہت ہی سمجھ دار ہیں- دیکھو کس سلیقے اور تہذیب سے کھانا کھا رہے ہیں - کھانے میں کوئی چیز کم پڑگئی ہے تو دوسرا چمپانزی کھڑا ہوگیا ہے اور عجائب خانے کے نوکر کو بلا رہا ہے - سچ ہے اچھی تربیت سے حیواں بھی انسان بن جاتے ہیں -

پیامِ تعلیم

جلد ۱۷ | بابت ماہ اگست سنہ ۴۴ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

زیر ادارت - سعید انصاری بی اے (جامعہ) محمد حسین حسان ندوی

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے - پی ایچ ڈی - جامعہ ملیہ

قیمت سالانہ عہ / فی پرچہ ۴ر

پیام تعلیم کے نئے خریدار

افسوس ہے کہ پچھلے نمبر میں گنجائش کی کمی کی وجہ سے نئے خریداروں کے نام شائع نہ کئے جاسکے، اس مرتبہ اس کی تلافی کردی گئی ہے (مینجر)

صدر مہتمم صاحب تعلیمات صوبہ ورنگل ۱۰ خریدار
عبدالوہاب صاحب - جالندھر -
بی دین محمد صاحب - سہارنپور -
ہمشیرہ نواب بیگم آف گوردھا -
سید حسین. ایس، ایم محی الدین - کالی کٹ -
صدر مدرس صاحب مدرسہ فوقانیہ - ناندیر
محمد حمید اللہ صاحب ، نوح -
صدر مدرس صاحب وسطانیہ عثمانیہ - سرپاٹ
مرزا تصور علی بیگ صاحب - اوریا
غلام سرور صاحب - کوئٹہ -
مولوی سید محمد یعقوب صاحب - معروف گنج
دہرم دیر سنگھ صاحب - حیدر گڈھ
عبدالوہاب صاحب - میمیو (برما)
ولی الحق صاحب - کیرا

ایس، ایم منظور ظفرالدین صاحب - بانکی پور
ناظم صاحب - انجمن معراج المسلمین - محمد پور بہار،
سی کے عبداللہ خاں صاحب - کاڈر (میسور)
نجم الھدیٰ صاحب - ملکی -
ایم عبدالعزیز صاحب - منگائی -
ہیڈ ماسٹر صاحب ہائی اسکول - ڈیرہ غازیخاں
صدر مدرس صاحب مدرسہ وسطانیہ پرکال
صدر مدرس صاحب - حضور آباد -
سید احتشام الدین صاحب -- بانکی پور
صدر مدرس صاحب - سرا سیو پیٹھ
سکریٹری صاحب جمعیتہ اہل سنت و الجماعت بھیمڑی
محمد فضل الرحمن صاحب (بذریعہ اخلاق الرحمن صاحب) - بارہ بنکی
ہیڈ ماسٹر صاحب کریم نگر

محمد نورالدین صاحب کیرا

ایم بی، مہکاری - بنگلور

بچوں سے باتیں

ہماری جامعہ کی سال گرہ کا زمانہ (۲۹ اکتوبر) اب قریب آپہنچا ہی۔ اس موقع پر جامعہ میں جلسے ہوتے ہیں، مشاعرہ ہوتا ہے۔ جامعہ کے سال بھر کے کاموں کی نمائش ہوتی ہے۔ پورے ایک سال تک جامعہ نے جو کام انجام دیئے ہیں جناب شیخ الجامعہ صاحب ان کی تفصیل لوگوں کو بتاتے ہیں، جامعہ کے ہمدرد اور بڑے بڑے لوگ دور دور سے اس میں شریک ہونے آتے ہیں۔ غرض عجیب چہل پہل اور خوشی میں یہ دو تین دن گذرتے ہیں

یہی وجہ ہی کہ ایک عرصہ سی پیام تعلیم بھی اس میں شریک ہوتا اور تمھیں بھی شریک کرتا ہی یعنی اس موقع پر اس کا سال گرہ یا سالگرہ نمبر نکالا جاتا ہی۔ پچھلے سال جو سال گرہ نمبر ہم نے نکالا تھا۔ وہ بہت کامیاب رہا تھا اور تم نے بھی اسے پسند کیا تھا۔ ارادہ ہے کہ اس سال اس سے بھی اچھا نکالا جائے۔ مضمون، تصویریں، کاغذ، لکھائی چھپائی، غرض سب باتوں میں یہ رسالہ ایسا ہو کہ بس اپنا جواب آپ ہی ہو اور تم بھی دیکھ کر پھڑک جاؤ۔

یہ خوشی تو بھائی ایسی ہے جس میں ہمیں تمھیں سب ہی کو حصہ لینا چاہیئے۔ ابھی تو تم چھوٹے ہو معلوم نہیں جامعہ کو اپنا سمجھتے ہو یا نہیں۔ مگر جب ذرا پڑھ لکھ کر سمجھ دار ہو جاؤ گے تب تو یقیناً تم اسے اپنا سمجھوگے۔ اس لئے کہ یہ ہندستان کا قومی مدرسہ تمھارے ہی بزرگوں کی ہمت اور کرم کے بل پر قائم ہی

ہم نے تیاری تو ابھی سے شروع کردی ہی، مگر تم بتاؤ تم نے کیا سوچا ہے۔ اس سال گرہ کے موقع پر اپنے پرچے کو کیا تحفہ دوگے۔ ہمارے خیال میں تو بھائی۔ دو ہی صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ تم میں سے ہر ایک اپنے پیام تعلیم کا ایک ایک قدرداں یا خریدار پیدا کرے دوسرے یہ کہ تم میں سے جو مضمون نگار ہوں وہ اچھے اچھے مضمون اور اچھی اچھی نظمیں لکھ کر بھیجیں

ساتھ ہی ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ سالگرہ نمبر کو خوب کامیاب، مزے دار اور دلچسپ بنانے کے لئے تم اپنی تجویزیں بھی جلدی سے بھیج دو۔ یہ کام کرنے کے ہیں اور انھیں جلد انجام پانا چاہیئے

مارچ کے پیام تعلیم میں انعامی مقابلے (ماں کے ہاتھ سے پٹنے کی داستان) کے اعلان کے بعد ہم نے تمھارے چند بزرگوں سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ بھی اپنے بچپن کا کوئی ایسا ہی دلچسپ واقعہ اپنے چھوٹوں کی دلچسپی کے لئے لکھ کر بھیج دیں اس لئے کہ اب چاہے وہ کتنے ہی نیک اور سنجیدہ ہوں اور اپنی اولاد یا چھوٹے بہن بھائیوں کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں پر مرمت بھی کرتے ہوں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ وہ خود بھی اسی قسم کی شرارتوں پر اپنے ماں باپ سے نہ ٹھکے ہوں۔

بعض بزرگوں نے تو ہماری بات کو ٹال دیا۔ ایک بزرگ نے ایسی بات کہی جس سے پتہ چلتا تھا کہ کبھی آپ نے شرارت کی ہی نہیں۔ اور گویا ہمیشہ سے فرشتوں کی طرح نیک سیدھے سادھے اللہ میاں کی گائے رہی ہیں خیر شکر ہے کہ محترمی جناب رشید احمد صاحب صدیقی ام اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور اپنی شرارت یا...... اور سزا کا بہت ہی دلچسپ واقعہ لکھ کر بھیج دیا۔ یہ مضمون اگرچہ لمبا ہو گیا ہے مگر اتنا دلچسپ ہے کہ بغیر ختم کئے تمھیں چین نہ آئے گا۔

ہماری جامعہ دو مہینے کی چھٹیوں کے بعد پہلی اگست کو کھل گئی ہے۔ اب کے چھوٹے بچے یعنی تمھارے بھائی بہت زیادہ آئے ہیں اسی لئے شیخ الجامعہ صاحب کو ان کے رہنے کے لئے ایک اور بورڈنگ کا انتظام کرنا پڑا ہے تین استاد بھی بڑھائے گئے ہیں غرض جامعہ کا بچوں کا مدرسہ (تعلیمی مرکز نمبر ا) خوب ترقی پر ہے ہم جناب عبدالغفار صاحب ہولی ہیڈ ماسٹر اور جناب شیخ الجامعہ صاحب دونوں کو مبارکباد دیتے ہیں

چنبیلی

(محمد حسین حسان)

لیلیٰ اب پورے چار برس کی ہوگئی، کل جمعہ تھا، اور آج ہفتہ کی صبح کو اٹھی تو خیر سے پانچویں میں لگ گئی تھی، یہ اس کی سال گرہ کا دن تھا، اس کی ماں آج بڑی خوشی منا رہی تھیں، انھوں نے لیلیٰ سے کہا۔ بیٹی لیلیٰ آج تیری سال گرہ کا دن ہے، بتا تیرے لئے کیا چیز منگوا دیں۔ کوئی گڑیاں، کھلونے یا کوئی اور اچھی چیز؟



لیلیٰ۔ اماں مجھے ننھی منھی خوب صورت سی مِنّو منگوا دو، بس میں اس سے کھیلا کروں گی۔



اماں۔ یہ کون بڑی بات ہے بیٹی میں ابھی اپنی لیلیٰ کو خوب صورت سی مِنّو منگوائے دیتی ہوں۔ تیرے ماموں کو بلیاں پالنے کا بہت شوق ہے۔ انھوں نے ولائتی ایرانی ہر قسم کی بلیاں پال رکھی ہیں آج، کل ان بلیوں نے بچے بھی دئے ہیں۔ انھیں کے یہاں سے ایک خوب صورت سا بچہ لئے آتی ہوں۔ بلکہ تو بھی میرے ساتھ چل خود ہی کوئی اچھا سا بچہ پسند کر لینا

یہ کہہ کر ماں نے لیلیٰ کی انگلی پکڑی اور دونوں آہستہ آہستہ لیلیٰ کے ماموں کے گھر پہنچ گئے۔

ماموں لیلیٰ کو دیکھتے ہی کھِل گئے میری لیلیٰ، میری لیلیٰ کہتے ہوئے لپکے، ننھی لیلیٰ

کو سے لگا لیا۔ اور پیار کرنے لگے، جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ مار بیٹیاں کس غرض سے



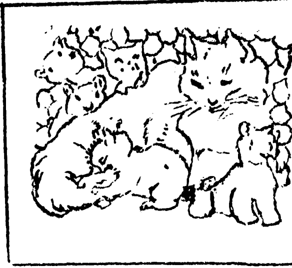
آئی ہیں تو انھوں نے کہا میرے پاس بہت سی بلیاں ہیں۔ ذرا ٹھہر جاؤ میں تمھیں سب دکھا دوں، ان میں سے جو تمھیں سب سے اچھی معلوم ہو، وہ تمھاری نذر ہے۔

ماموں نے پہلے ایک سفید بلی دکھائی اپنے پانچ بچوں کے ساتھ بڑے مزے میں بیٹھی ہوئی تھی یہ بچے بھی ایسے سفید تھے جیسے روئی کے گالے۔

لیلیٰ خوشی میں تالی بجا کر بولی، آہا! ماموں جان مجھے ان میں سے ایک دیدیجئے

ماموں :- ٹھہر جاؤ۔ بیٹی پہلے اور بچے بھی تو دیکھ لو۔

اس کے بعد انھوں نے خوب صورت



زرد رنگ کی بلی دکھائی۔ اس کے چار بچے تھے، اور چاروں ایسے زرد تھے جیسے لیلیٰ کے باغ کا گیندا۔ لیلیٰ نے اپنے دل میں کہا یہ خوب صورت تو ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے وہ تھے۔ پھر انھوں نے ایک کالی بلی دکھائی



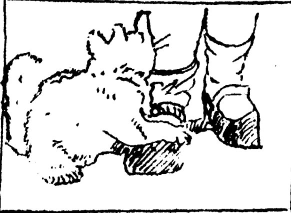
اس کے تین بچے تھے۔ یہ ایسے کالے تھے جیسے توے کی سیاہی یا لمپ، کا کاجل لیلیٰ

نے اپنے دل میں کہا یہ بھی بہت خوب صورت ہیں، مگر سفید بچوں کی برابر نہیں ۔ ماموں نے

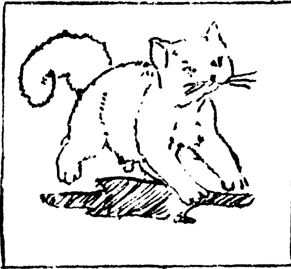


کہا میرے پاس دھاری دار بچے بھی ہیں بہت ہی خوب صورت ، وہ بھی دیکھ لو ۔ مگر اتنے میں لیلیٰ کو اپنے پیروں پر کوئی چیز آہستہ ، آہستہ چڑھتی ہوئی معلوم ہوئی اس نے نیچے جو دیکھا تو ایک بہت ہی خوب صورت سفید بچہ نظر آیا ، ایسا خوب صورت کہ اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا ، وہ بالکل سفید تھا ، یہاں تک کہ مونچھیں بھی سفید تھیں ، ہاں مگر آنکھیں نیلی تھیں ، ایسی نیلی ۔ جیسے اس نے آتے وقت سڑک کے کنارے

نیلے نیلے پھول دیکھے تھے ۔ ہوا یہ کہ جس وقت لیلیٰ نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے



جی میں کہا ۔ اچھا ہو تا کہ لیلیٰ مجھے پسند کر لیتی بس یہ سوچ کر چپکے سے ماں سے چھپ کر



اپنے دربے میں سے نکل آہستہ آہستہ لیلیٰ کے پیروں کے پاس پہنچ گئی ۔ لیلیٰ نے اس کی طرف جھک کر دیکھا تو اس نے اپنی ننھی سی آواز میں کہا ۔ "میاؤں" جس کا مطلب یہ تھا کہ میری اچھی لیلیٰ تم کیوں جھمیلے میں پڑتی ہو ۔ مجھی کو کیوں نہیں پسند کر لیتیں ۔ اور لیلیٰ

بھی اُس کی خوب صورت نیلی نیلی آنکھوں



اور سفید جسم کو دیکھ کر بس لوٹ ہی تو ہو گئی ، اس نے جو میاؤں کی آواز نکالی تو لیلی کو بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوا کہ "لیلی مجھی کو پسند کر لو"

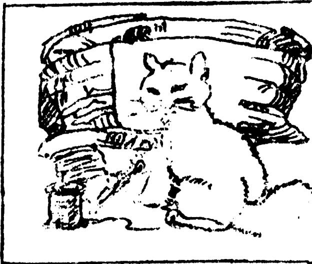


اس نے چلا کر کہا ، اماں میں تو بس اِسی ننھے منھے خوب صورت منّو کو لوں گی ، مجھے تو یہی سب سے پیاری معلوم ہوتی ہے ۔ میں اس کا نام چنبلی رکھوں گی ۔

بی چنبلی اب اپنی اماں جان اور چھوٹے



چھوٹے بہن بھائیوں سے رخصت ہو کر خیر سے لیلی کے گھر سدھاریں ۔ دونوں بہت ہی خوش تھے ۔



ایک دن ماں نے لیلی سے کہا میری انگوٹھی کھو گئی ہے ۔ بیٹی تو نے تو کہیں نہیں دیکھی ؟

لیلیٰ ! نہیں اماں مجھے تو کہیں نظر نہیں آئی ۔ چنبلی میز کے نیچے کھیل رہی تھی وہ کچھ نہیں بولی بس ایک ذرا سا مسکرا دی

اور پھر کھیلنے میں مشغول ہو گئی۔ دونوں ماں



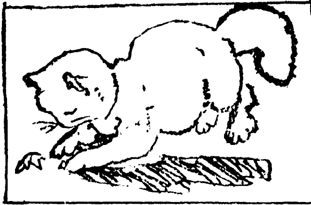
بیٹیوں نے ہر جگہ تلاش کر ڈالا۔ مگر انگوٹھی کہیں نہیں ملی۔



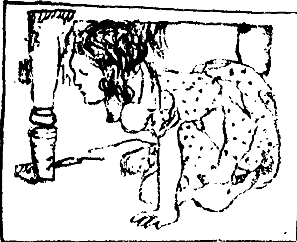
لیلیٰ کی ماں نے کہا۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ لیلیٰ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انگوٹھی یہاں سے کہاں گئی؟

چنبیلی اب بھی کچھ نہیں بولی، وہ پھر ذرا سا مسکرا دی، اور کھیلنے میں مشغول ہو گئی وہ

پنجوں کے بل میز کے نیچے گئی اور کوئی سفید سفید چمکدار سی چیز اس کے سامنے زمین پر لڑھک رہی تھی۔ اس نے اسے تھوڑی دیر لڑھکنے دیا۔ پھر اچھل کے اس کے پاس



پہنچ گئی۔ اور پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس نے پھر اسے اپنے چھوٹے چھوٹے سفید پنجوں سے لڑھکا دیا، اور تھوڑی ہی دور گئی ہوگی کہ پھر پکڑ لیا۔ کیا مزے کا کھیل تھا! لیلیٰ کی ماں نے چنبیلی کو اس طرح اچھلتے کودتے دیکھا



تو تعجب سے کہا۔ ارے یہ کیا۔ شاید چنبیلی نے کوئی چوہا پکڑا ہے۔ اسی کے ساتھ کھیل

رہی ہے ۔

لیلیٰ ۔ ہا ہا بے چارہ ننھا چوہا ۔ وہ میز کے نیچے گھس گئی ۔ تاکہ چوہے کو اس سے چھڑائے ۔ بی چنبیلی اسی طرح اپنے کھیل میں مشغول تھیں ، لیلیٰ نے جو یہ ماجرا دیکھا تو زور سے ہنس پڑی اور چیخ کر کہا " اماں چاندی کا چوہا "

ماں :- چاندی کا چوہا! کیا کہہ رہی ہے لیلیٰ ۔؟

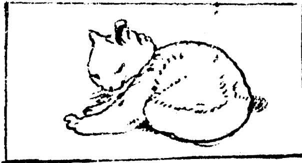
لیلیٰ میز کے نیچے سے نکلی اور کہنے لگی ہاں ۔ اور کیا اماں دیکھو نا یہ تمہاری انگوٹھی نہیں ہے ۔!



لیلیٰ کی اماں مسکرا کر بولیں ۔ تیری چنبیلی بڑی مردار ہے لیلیٰ! نامراد اتنی دیر سے اسی سے کھیل رہی تھی ۔

لیلیٰ ۔ نہیں اماں ۔ میری چنبیلی بڑی اچھی ہے ۔ تم نے ضرور اپنی انگوٹھی زمین پر گرادی ہوگی ۔ اور دیکھو ۔ اس نے تمہارے لئے تلاش کرلی ۔ اگر وہ تلاش نہ کرتی تو جانے کب تک یہ اِدھر اُدھر پڑی بھٹکتی رہتی ۔

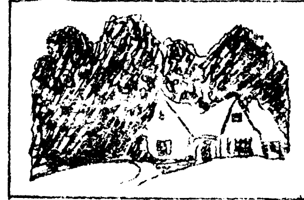
اس لئے چنبیلی کو آج خوب بالائی اور مکھن کھانے کو ملا ۔



لیلیٰ اب چھ برس کی ہوگئی تھی ۔ اس لئے اس کی ماں نے کہا ۔ بیٹی اب تم اکیلی ٹہلنے چلی جایا کرو ۔ ہاں ۔ زیادہ دور نہ جانا ۔ اور نہ ایسی سڑک پر جانا ۔ جس پر سے تانگے کثرت سے گذرتے ہیں ۔

لیلیٰ کے گھر کے پیچھے بڑا اور گھنا باغ تھا ۔ اتنا گھنا کہ اس کے اندر اندھیرا سا ہوگیا تھا ۔ لیلیٰ کے لئے یہ ٹہلنے کی بہت اچھی جگہ

تھی۔ مگر وہ پگڈنڈی کا ہمیشہ خیال رکھتی تھی۔



ایک دن وہ چنبیلی کو ساتھ لے کر اسی باغ میں ٹہلنے نکلی۔ وہاں درختوں کے بیچ میں بہت ہی خوب صورت پھول لگے ہوئے تھے۔ لیلی کو یہ پھول ایسے پیارے لگے، اور وہ ان کے توڑنے میں ایسی کھوئی گئی کہ درختوں ہی درختوں سیدھی نکلی چلی گئی اور پگڈنڈی سے بہت دور ہٹ آئی۔ پھول توڑتے توڑتے



وہ ایکا ایکی اور گھبرا کر پگڈنڈی کو دیکھنے لگی اے ہے یہ پگڈنڈی کدھر رہ گئی" اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مگر راستہ کہیں نظر نہ آیا۔ پریشان ہو کر چنبیلی سے کہا، ارے چنبیلی ہم راستہ بھول گئے۔ اب نہ ہمیں پگڈنڈی ملے گی نہ ہمیں کوئی تلاش کر پائے گا۔ اب کیا کریں



چنبیلی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ایک ایک خوب صورت رنگ برنگ کی ننھی منھی سی تتلی درختوں میں اڑتے دیکھ لی تھی، اور اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ کبھی تو بہت دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اور کبھی خوب تیز دوڑ کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتی بھلا جب ایسی خوب صورت تتلی اس کے سامنے ہو اور وہ اس کا پیچھا کر رہی ہو تو کھونے یا نہ کھونے کا خیال ہی اس کے دل میں کیوں آنے لگا تتلی تم جانو کوئی چوہا تو تھی نہیں کہ بی چنبیلی

وہ ایک چھلانگوں میں اُسے دبوچ لیتیں، وہ



تو بھی تیتلی تھی، اس نے انھیں خوب ناچ نچایا وہ تو کبھی اس ڈال پر جا بیٹھتی، کبھی اس ڈال پر جا بیٹھتی، کبھی آگے اُڑ جاتی کبھی پیچھے اُڑ جاتی۔ کبھی اس درخت پر پہنچ جاتی، کبھی اُس درخت پر پہنچ جاتی۔ کبھی درختوں کے بیچ میں سے ہو کر کسی طرف کو مڑ جاتی۔ بی چنبیلی بھی بڑی محنت اور شوق سے پیچھا کر رہی تھیں مگر پکڑ نہیں پاتی تھیں۔

لیلی نے اپنے کھو جانے کی پریشانی میں زور زور سے چلانا شروع کیا۔ مگر اس نے چنبیلی کی طرف دیکھا تو تتلی کے پیچھے دوڑتی ہوئی ایسی اچھی معلوم ہو رہی تھی کہ لیلی اُسی کی طرف دیکھنے لگی۔ چیخنا، چلانا بھی بند ہو گیا۔ اور اپنے کھو جانے کا خیال بھی دل سے نکل گیا اور ہنستی ہوئی وہ بھی ان کے پیچھے دوڑنے لگی دیر تک یہ بھاگ دوڑ کا تماشا رہا۔ کبھی ایک طرف مڑ جاتے۔ کبھی دوسری طرف



ارے یہ کیا! لے یہ تو وہی پگڈنڈی ہے جو لیلی کے گھر کو جاتی ہے۔ اب لیلی کی جان میں جان آئی۔ اس نے خوشی سے چلا کر کہا۔ میری اچھی چنبیلی اگر آج تو نہ ہوتی تو پھر ہمیں کوئی بھی زندہ نہ دیکھ پاتا۔ اس نے چنبیلی کو گود میں اٹھا



لیا۔ دوڑ کر گھر پہنچی اور ماں سے سارا قصہ

کہہ سنایا۔ ماں بیٹوں نے طے کیا کہ بی چنبیلی کو ایک ہفتہ تک رات کے کھانے میں مکھن اور بالائی دی جائے



(ترجمہ)

دو ہاتھی

(احمد خالد عمر صاحب ۔ گونڈہ)

برسات کا موسم تھا ۔ مینہ برس کر کھل چکا تھا۔ کچھ عجیب بہار آ رہی تھی ۔ لوگ ادھر ادھر سیر و تفریح کے لئے جا رہے تھے ۔ میں بھی ٹہلنے کے لئے دریا کے کنارے نکل گیا ۔ وہاں دو مہاوت اپنا اپنا ہاتھی لئے کھڑے تھے ۔ اور آپس میں اپنے اپنے ہاتھی کی بڑائیاں کر رہے تھے ۔

ایک:۔ دیکھو میرا ہاتھی تمھارے ہاتھی سے کتنا بڑا اور کتنا اونچا ہے ۔

دوسرا:۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے ۔ مگر بڑا ہونا تو کوئی ایسی اچھی بات نہیں ۔

پہلا:۔ خیر نہ سہی تمھارے ہاتھی میں کیا خاص بات ہے ۔

دوسرا:۔ میرا ہاتھی بڑا نیک اور شریف ہے ۔

پہلا:۔ وہ کیسے ۔

دوسرا:۔ ایک دن میں اپنے ہاتھی کو دریا کے کنارے لے گیا میرا چھوٹا لڑکا بھی اس کی پیٹھ پر تھا ۔ دریا کے بالکل کنارے ایک برگد کا درخت تھا ۔ ہاتھی درخت کے نیچے آیا تو بچہ اچک اچک کے درخت سے کھیلنے اور اس کی شاخیں پکڑنے لگا ۔ ایکا ایکی وہ اس کی پیٹھ سے پھسل کر پانی میں آ رہا اور غوطے کھانے لگا بس ڈوبنا ہی چاہتا تھا کہ ہاتھی کی نظر پڑ گئی ۔ فوراً اپنی سونڈ سے اٹھا کر پھر اسے پیٹھ پر رکھ لیا ۔ میں تو بھائی اسی وقت سے اسے نیک اور شریف سمجھتا ہوں ۔

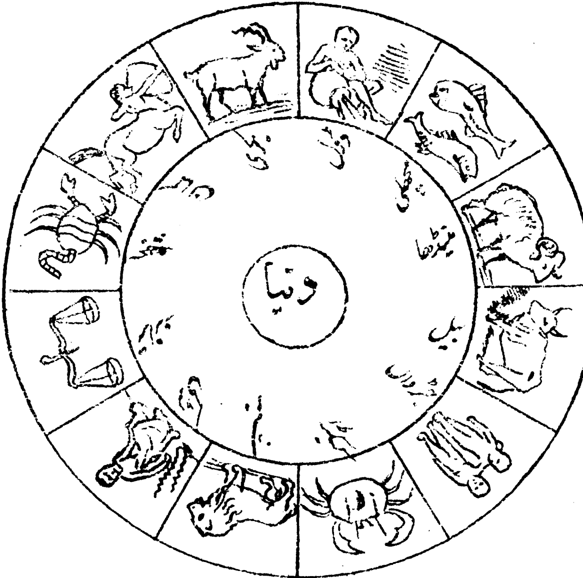
ستاروں کی برادری

بُرج

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

پچھلے نمبر میں ستاروں کی برادری میں سے صرف قطب ستارے کا حال بیان کیا گیا تھا اب برج اور دوسرے ستاروں کا حال لکھا جاتا ہے (ایڈیٹر)

یہ ستاروں کے جگہ جگہ جو گچھے نظر آتے ہیں۔ جیسے پلنگ پڑھی کا گچھا۔ ان کو بُرج کہتے ہیں ان گچھوں کے مختلف ستاروں کو اگر لکیروں سے جوڑ دیا جائے تو مختلف شکلیں بن جاتی ہیں، کہیں ترازو کی، کہیں بچھو کی، کہیں شیر کی، بس لوگوں نے ان برجوں کے یہی نام رکھ لئے ہیں۔



آپ نے دیکھا ہوگا سورج ہمیشہ پورب سے نکلتا ہے۔ اور پچھم میں ڈوبتا ہے یہ اس لئے کہ ہماری دنیا پچھم سے پورب کو چلتی ہے۔ سورج اپنا راستہ کبھی نہیں بدلتا۔ کیوں کہ ہماری دنیا اپنا راستہ

نہیں بدلتی، اسی طرح چاند بھی اپنا راستہ نہیں بدلتا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس کی بھی بس ایک سڑک مقرر ہے۔ اسی پر چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ اس سڑک پر بہت سے ستاروں کے گچھے یعنی برج پڑتے ہیں۔ تعداد میں یہ پورے بارہ ۱۲ ہیں۔ ان کے نام اور تصویریں پچھلے صفحہ میں دیکھئے۔ ان کے ستاروں کا حال تو آئندہ لکھا جائے گا۔ یہاں سمجھنے کے لئے وہ شکلیں دی جاتی ہیں جن کے ناموں سے انھیں پکارا جاتا ہے۔

لیکن یہ بارہ گچھے سب کے سب ہمیں روزانہ نہیں دکھائی دیتے۔ بلکہ صرف چھ دکھائی دیتے ہیں۔ ہر مہینہ ایک طرف سے ایک نیا گچھا طلوع ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف کا ایک پرانا گچھا غروب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چھ مہینے بعد ہمارے سامنے بالکل نئے چھ گچھے ہوتے ہیں۔ اور چھ مہینے والے گچھوں میں سے ایک بھی نہیں ہوتا۔

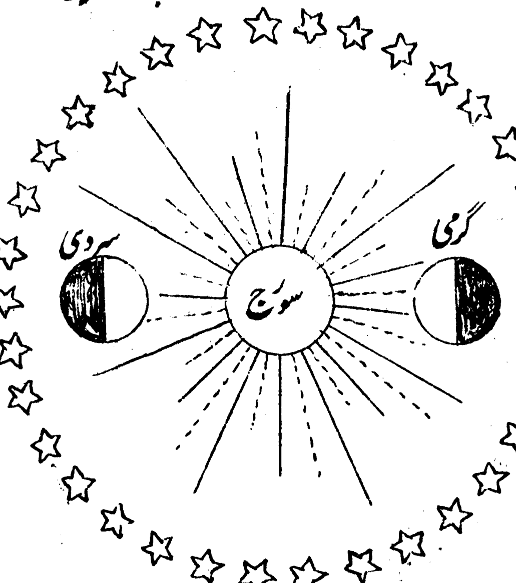
کچھ ان چاند کی سڑک والے بارہ ۱۲ گچھوں پر نہیں۔ آسمان کے سارے گچھوں کا یہی حال ہے۔ چھ مہینے تک ایک طرح کے گچھے ہمارے سامنے رہتے ہیں۔ اور چھ مہینے تک دوسری طرح کے۔ گرمیوں میں آسمان پر اور ستارے ہوتے ہیں اور جاڑوں میں بالکل اور۔ اس کی وجہ بھی سن لیجئے۔

فرض کیجئے آپ بہت بڑے فٹ بال کے اندر بیچوں بیچ بیٹھ جائیں۔ اور اس فٹ بال میں کریں لاکھوں چھید بس جدھر آپ کا منہ ہوگا۔ ادھر ہی سے روشنی آتی دکھائی دے گی۔ اور جدھر سے آپ کی پیٹھ ہوگی اُدھر نہ سوراخ دکھائی دیں گے۔ نہ روشنی یہی حال ہماری دنیا اور ستاروں کا ہے۔

ہماری دنیا کے ایک طرف سورج ہے اور ایک طرف سورج نہیں ہے، اب گرمی کے زمانے کی دنیا کو لیجئے جدھر سورج ہے ادھر دن ہوگا۔ اور باوجود اس کے کہ ادھر بھی ستارے موجود ہیں۔ لیکن سورج کی چکاچوندھ کی وجہ سے وہ دکھائی نہیں دے سکتے

لیکن دنیا کے جس طرف سورج نہیں ہے ادھر رات ہے۔ اور وہاں سے آدھا آسمان صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی آدھے ستارے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

چھ مہینے بعد یعنی سردی میں دنیا سورج کے بالکل دوسری طرف چلی گئی اب پہلے والے ستارے جو رات کو اس کے سامنے تھے۔ دن میں اس کے سامنے پڑتے ہیں۔ اور اس کی تیز روشنی کی وجہ سے ہیں دکھائی نہیں دیتے۔ لیکن رات میں بالکل نئے ستارے اس کے سامنے آگئے ہیں۔ کیوں کہ اب آسمان کا دوسرا حصہ اس کے مقابل ہے۔



کہکشاں

کہکشاں کے متعلق طرح طرح کے قصے مشہور ہیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ ارجن کے رتھ سے یہ نشان پڑ گئے ہیں مسلمان کہتے ہیں کہ آں حضرت معراج کے لئے اسی سڑک پر سے گئے تھے بعض کہتے ہیں نہیں یہ تو پل صراط ہی بات کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ننھے ننھے ستاروں کے گچھے ہیں جو بہت قریب قریب واقع ہوئے ہیں جیسے آپ کسی کاغذ پر نزدیک نزدیک ننھے ننھے نقطے بنا دیجئے تو وہ دور سے مل کر ایک لکیر سی معلوم ہوں گے اسی طرح یہ ستارے بھی مل کر بس ایک سڑک سی معلوم ہوتی ہے یہ کہکشاں سارے آسمان پر پھیلی ہوئی ہے اس لئے آدھی گرمیوں میں دکھائی دیتی ہے

اور دوسری طرح کی باقی آدھی سردیوں میں دکھائی دیتی ہے۔

آئندہ انشاراللہ دو مضمون ہم اور لکھیں گے۔ (۱) سردیوں کا آسمان (۲) گرمیوں کا آسمان۔ اب کوئی سمجھانے والی باتیں تو باقی نہیں رہی ہیں اس لئے ان مضمونوں میں خوب روشن ستاروں اور خاص خاص برجوں کی پہچان بتائیں گے۔ گویا ہم آپ کو اپنے ساتھ آسمان پر لے چلیں گے۔ اور وہاں کی مزے مزے کی سیر کرائیں گے۔

لطفے

چھوٹی بچی (ٹرام میں) اماں، اماں دیکھو یہ ابا بیٹھے ہیں۔

ماں:۔ ہشت بے وقوف۔ یہ تیرے ابا کہاں سے آئے یہ تو کوئی شریف آدمی ہیں۔

استاد (درجے میں) تمھیں اپنے بڑوں کی ہمیشہ عزت کرنی چاہیئے اور ان کا کہنا ماننا چاہیئے۔ جادو میں یہ تم سے خاص طور پر کہہ رہا ہوں کہ تم باوجود بار بار کی نصیحت کے کبھی وقت پر درجے میں نہیں آتے۔

جادو:۔ ماسٹر صاحب میری گھڑی کی کچھ عجیب ہی خاصیت ہے۔ کبھی تو بہت سست چلتی ہے اور کبھی بالکل بند ہو جاتی ہے مگر اس کی عمر میرے پردادا سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے ماسٹر صاحب آپ کی نصیحت کے مطابق میں تو اسی کے بتائے ہوئے وقت پر کام کرتا ہوں۔

ہوا میں پانی

از جناب جواد صاحب میرٹھی

ہم پہلے مضمون میں تمھیں بتا چکے ہیں، کہ تبخیر کسے کہتے ہیں، کیا تم بتا سکتے ہو کہ جو پانی اس طرح بھاپ بن جاتا ہے وہ کہاں چلا جاتا ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ برسات کے دنوں میں نمک پسیج جاتا ہے، اکثر لوگ پاپڑ اور دوسری کھانے کی چیزیں برسات کے دنوں میں پانی سے بچا کر رکھتے ہیں، مگر پھر بھی یہ چیزیں سیل جاتی ہیں آخر ان چیزوں میں پانی کہاں سے آتا ہے؟

ان چیزوں میں پانی اور نمی ہوا سے آتی ہے، جب گیلی ہوا ان سے چھوتی ہے تو یہ گیلی اور نم دار ہو جاتی ہیں، اصل میں جو پانی بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے، وہ ہوا میں رہتا ہے، مگر ہمیں دکھائی نہیں دیتا، برسات کے دنوں میں جب اس پانی کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے تو یہ دوسری چیزوں کو گیلا کر دیتا ہے، نمک اور دوسری چیزیں ہوا سے پانی حاصل کرتی ہیں ہوا میں بھاپ ہمیشہ موجود رہتی ہے کبھی زیادہ کبھی کم۔

تجربہ (۱):- (برسات کے دنوں میں) تھوڑا سا سانبھر کا نمک میز پر رکھو، اور کچھ دیر بعد اسے ہاتھ سے چھو کر دیکھو، کیا یہ نمک اب بھی ایسا ہی خشک ہے، جیسا تم نے شیشی سے نکال کر رکھا تھا؟ نہیں یہ تو پسیج گیا، یہ پانی دراصل ہوا سے نمک نے جذب کر لیا یعنی چوس لیا۔ اور اسی لئے نمک بھیگ گیا۔

تجربہ (۲):- ایک کانچ کے گلاس میں پانی بھر لو اس کے باہر کی طرف خوب رومال سے صاف کر لو، پھر برف کی ایک ڈلی گلاس میں ڈال دو۔ جب پانی خوب ٹھنڈا ہو جائے

توگلاس کی باہر کی طرف خوب غور سے دیکھو اور ہاتھ سے چھوؤ ، پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے گلاس پر جم گئے ہوں گے اور تمھارا ہاتھ گیلا ہو جائے گا -

ان دونوں تجربوں سے تم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہوا میں پانی کی بھاپ ہمیشہ موجود رہتی ہے ، کبھی زیادہ اور کبھی کم -

---

ہمّت کا کھیل

(از حضرت اصغر گونڈوی اڈیٹر رسالہ ہندوستانی الہ آباد)

جاپان میں کچھ کھیل ایسے بھی کھیلے جاتے ہیں جن سے لڑکوں کی ہمّت بھی بڑھے - اور اگر ان کے دل میں خوف ہو تو وہ بھی نکل جائے - ان کھیلوں میں سے ایک مشہور کھیل "ہمّت کا امتحان" کہلاتا ہے - اسے اس طرح کھیلتے ہیں کہ دن کو لڑکوں کا ایک غول کچھ جھنڈیاں لے کر کسی ویرانے قبرستان یا کسی بہت ہی خوفناک اور تاریک مقام پر رکھ آتا ہے - پھر جب رات ہوتی ہے تو یہ لڑکے ایک جگہ آکر جمع ہوتے ہیں اور بہت ہی ڈراونے قصے کہنا شروع کرتے ہیں - جب ایک قصہ ختم ہو جاتا ہے - تو ان میں سے ایک لڑکا اکیلا روانہ ہوتا ہے اور دن کی رکھی ہوئی جھنڈیوں میں سے ایک جھنڈی اٹھا کر لے آتا ہے - اور اس طرح اپنی ہمت کا ثبوت دیتا ہے -

آسٹریلیا کے چند جانور

(از جناب محمد احمد صاحب سبزواری)

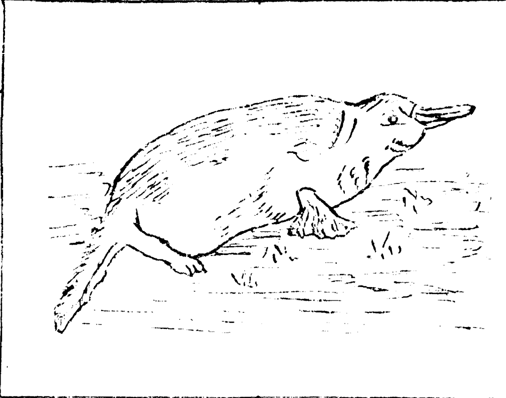
وم بیٹ (Wombat) یہ اصل میں اپوسم (اس کا ذکر پچھلے پرچے میں گذر چکا) کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ قد و قامت میں چھوٹے ریچھ سے کچھ چھوٹا اور بڑی بلی سے ذرا بڑا۔ اپنے بچوں کو دودھ بھی پلاتا ہے۔ اس کے پاؤں اور بدن کے دوسرے حصے بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ پنجوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ بہت آسانی سے زمین کے اندر سوراخ کرسکتا ہے۔ پیدائش کے وقت اس کے دانت بہت کم ہوتے ہیں۔ جوں جوں عمر بڑھتی ہے۔ دانت بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ اس کی دم بہت چھوٹی ہوتی ہے غذا درختوں کی جڑیں۔ پھل، گھاس اور اس قسم کی دوسری چیزیں ہیں۔ یہ جانور دن کے وقت بہت کم باہر نکلتا ہے یا تو کسی اندھیرے کونے میں پڑا رہتا ہے یا پھر اپنے بنائے ہوئے غار میں رہتا ہے۔



ڈک مول:۔ (Duck mole)

یہ دنیا کا عجیب و غریب جانور ہے۔ آسٹریلیا اور تسمانیہ اس کا وطن ہے۔ یہاں کے نالابوں اور دریاؤں میں یہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کا جسم اود بلاؤ کی طرح ہے، لیکن

چونچ بطخ کی چونچ سے ملتی جلتی ہے اس کے اگلے اور پچھلے پیروں کی انگلیاں ایک جھلی کے ذریعے آپس میں جڑی ہوتی ہیں تم نے بطخ کے پنجے ضرور دیکھے ہوں گے ۔ بس اس کے پنجے بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے پنجوں میں بہت مضبوط ناخن بھی ہوتے ہیں۔ جن سے یہ اپنے رہنے کا بیس سے تیس فٹ تک گہرا بل کھودتا ہے



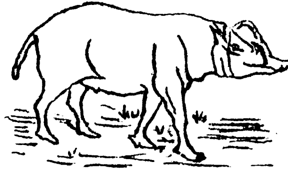
دیکھو اس کا جسم تو اود بلاؤ کا سا ہے اور پنجے اور چونچ پرندوں کے سے ۔ اچھا اب ہم تم سے ایک بات پوچھیں یہ انڈے دیتا ہے یا بچے ۔ اس کا جواب شاید تم یہی دوگے ، اس کا جسم اود بلاؤ کی طرح ہے تو بچہ ہی دیتا ہوگا ۔ مگر نہیں جناب یہ انڈے دیتا ہے ۔ تمھیں یہ سن کر بڑا اچنبھا سا ہوگا ۔ مگر نہیں ابھی ایک اور چیز ہے جو

اس سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی ہے جب انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں ۔ تو یہ انھیں اپنے تھیلے میں رکھ لیتا ہے جو جسم کے اندر کے حصے میں ہوتا ہے ، اسی تھیلے میں یہ بچے پرورش پاتے ہیں ۔ اور انھیں دودھ پہنچتا رہتا ہے ۔ چونچ اور پنجوں کے علاوہ اس کے جسم کی بعض ہڈیاں بھی بالکل پرندوں کی ہڈیوں کی طرح ہیں ۔ پرندوں سے اس کی مشابہت بس اتنی ہی ہے اور سب باتیں اس میں رینگنے والے جانوروں کی سی ہیں ، اس کی دم بھی اود بلاؤ کی دم کی طرح پانچ چھ انچ کی ہوتی ہے ۔ جسم سر سے دم تک چپٹا ۔ عموماً بارہ سے اٹھارہ انچ تک لمبا ، رنگ سیاہ ، بدن پر سمور جو بہت گھنا ہوتا ہے اور اسے ٹھنڈ سے محفوظ رکھتا ہے ۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی

اور کان تو اس قدر چھوٹے کہ نظر بھی مشکل سے آتے ہیں۔ پاؤں زیادہ لمبے نہیں ہوتے اور اسے تیرنے میں مدد دیتے ہیں۔ دم سے یہ پانی کو ادھر ادھر ہٹاتا ہے۔ پانی میں بہت گہرے بل بنا کر رہتا ہے۔ رات کو خوراک کی تلاش میں نکلتا ہے۔ پانی کے جانور اور گھاس کھاتا ہے۔

اس کی شکل و صورت چھچھوندر اور مور خور سے بھی بہت ملتی جلتی ہے۔ ہاں ایک بات ہم تمھیں اور بتائیں وہ یہ کہ کبھی یہ خشکی میں بھی آجاتا ہے، اور اگر زمین پر اسے کوئی پکڑلے تو خارپشت یا جنگلی چوہے کی طرح بالکل گیند بن جاتا ہے۔

بابی روسا (Babirusa) اس جانور کا حال لکھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ جزائر سیلی بس میں ہوتا ہے اگرچہ یہ جزیرے جزائر شرق الہند میں ہیں۔ مگر چونکہ آسٹریلیا سے قریب ہیں۔ اس لئے اس کا ذکر ہم نے ان ہی جانوروں میں کر دیا ہے۔



یہ اصل میں سؤر ہے۔ مگر شکل و شباہت میں سؤر سے بہت مختلف ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے سر پر دو مڑے ہوئے سینگ ہوتے ہیں، جو اسے گینڈے سے مشابہ کر دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو بڑے دانت ہوتے ہیں جو ہاتھی کی طرح باہر نکلے رہتے ہیں اور ان کی لمبائی (۶) اور (۸) انچ کے قریب ہوتی ہے۔ اس کے بالوں اور دانتوں سے بہت سی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ جنگل کے پھل پھول اور درختوں کی جڑیں اس کی غذا ہیں۔ یہ جانور شرق الھند کے اور جزیروں میں بھی پایا جاتا ہے۔

بادل کا کھُلنا

(از سید بے نظیر شاہ صاحب مرحوم)



پچھلے مہینے ہم حضرت شاہ صاحب کی ایک بہترین نظم پیامِ تعلیم میں شائع کر چکے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تمھیں ضرور پسند آئی ہوگی۔ آج انھیں کی ایک دوسری نظم اس پرچے میں شائع کی جا رہی ہے۔ یہ بھی موسم کی ایک چیز ہے۔ بادلوں کے آنے اور کھل کر برسنے کے بعد بوندیں کم، اور پھر آہستہ آہستہ بالکل تھم جاتی ہیں۔ بادل پھٹنے اور اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگ دوڑ مچانے لگتے ہیں۔ سورج کو بھی ذرا جھانکنے کا موقع مل جاتا ہے۔ درختوں کی شاخوں اور پھنگوں پر اس کی زرد زرد شعاعیں کیسی اچھی معلوم ہوتیں ایسے میں کبھی کبھی آسمان پر رنگوں کی بڑی سی کمان بن جاتی ہے جسے تم دھنک کہتے ہو۔ مینہ کی وجہ سے لوگ گھروں میں بیٹھے بیٹھے اکتا جاتے ہیں۔ بوندیں رکتے ہی وہ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سیر و تفریح کی سوجھتی ہے، کسان بھی خوش خوش اپنے کھیت کا رخ کرتا ہے۔ غرض ان سب باتوں کا شاہ صاحب نے بڑا ہی اچھا سماں کھینچا ہے۔ آج کل برسات کا موسم تو ہے ہی تم اسے ذرا مینہ برس کر کھل جانے کے بعد پڑھو۔ پھر دیکھو کیا لطف آتا ہے۔ یہ پیاری نظم اس قابل ہے کہ زبانی یاد کر لی جائے (ایڈیٹر)

چھٹا ابر، ہیں دھوپ کے کچھ نشاں
پرندے بھی ہونے لگے پرفشاں

فرہنگ

۱ ابر - بادل

وہ ہر شاخ پر کوئلیں بار بار
اڑاتی ہیں بیٹھی ہوئی کیا ملار
ادھر سے اٹھا لو پپیہوں کا شور
ادھر تانیں کیا کیا لگاتے ہیں مور
ہے قوس قزح چرخ پر جلوہ گر
ابھی تک نہیں آتا سورج نظر
ہوئی شوخ ہر رنگ کی اب بہار
دھنک میں شعاعیں ہوئیں آشکار
پڑیں زرد کرنیں وہ ہر رنگ پر
زمرد پہ چڑھنے لگا آبِ زر
ہوا سے ہٹی ابر کی جو نقاب
یکایک ہوا جلوہ گر آفتاب
نہ وہ سیل ہے اب نہ اب وہ گھٹا
بھری ہیں مگر نالیاں جابجا
شکایت ہے گلیوں میں کیچڑ کی عام
ہیں پر صاف بستی کی سڑکیں تمام
یہ سب دیکھتے تھے جو بیٹھے ہوئے

آشکار ۔ ظاہر

آبِ زر ۔ آب ۔ پانی ۔ زر ۔ سونا ۔ یعنی سونے کا پانی

آفتاب ۔ سورج ۔

آبِ حیات ۔ آب ۔ پانی ۔ حیات ۔ زندگی یعنی وہ پانی جس کے پینے سے ہمیشہ زندہ رہیں ۔

ب

برگ ۔ پتہ

باراں ۔ بارش ۔ مینہ

پ

پرفشاں ۔ پر جھاڑنے والا یعنی پرندے بھی جو اب تک دبکے بیٹھے تھے ۔ پر جھاڑ کر اڑنے کی تیاریاں کرتے ہیں ۔

ج

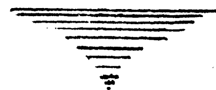
جلوہ گر ۔ ظاہر

جابجا ۔ جگہ جگہ

چ

چرخ ۔ آسمان ۔

چلے اب وہ دامن سمیٹے ہوئے
ہوئی رونق تازہ ہر کار میں
نکلنے لگے لوگ بازار میں
کسان اور دہقان بایک دگر
کدار اور ہل رکھ کے خود دوش پر
وہ بیلوں کو اپنے ہنکاتے ہوئے
چلے نٹ، ملاریں وہ گاتے ہوئے
وہ کیڑے مکوڑے ہزاروں ادھر
لگے رینگنے ہر طرف خاک پر
وہ تالاب اڑتی تھی کل جس میں گرد
نکل آئے مینڈک وہاں زرد زرد
وہ کیڑے کہ جو سر بسر خاک تھے
وہ پانی کے پڑتے ہی سب جی اٹھے
سمجھ میں نہیں آتی کچھ اور بات
مگر تھا یہ بارانِ آب حیات



د

دہقان ۔ گنوار ۔ کسان

دوش ۔ مونڈھا ۔

ر

رونق ۔ خوب صورتی ۔ تازگی ۔ رونق تازہ یعنی نئے سرے سے ہر کام میں رونق پیدا ہو گئی ۔

ز

زمرد ۔ ایک سبز رنگ کا قیمتی جوہر جس کے سامنے کہتے ہیں سانپ اندھا ہو جاتا ہے

س

سیل ۔ سیلاب ۔ بہیا ۔ سر بسر ۔ بالکل

ش

شعاع ۔ کرن

ق

قوس قزح ۔ دھنک

ک

کار ۔ کام

م

ملار ۔ گانے کی ایک قسم

عید کیسے گذاری

(مس عبد اللہ صاحب گورنمنٹ ہاؤس لاہور)

جب عید میں ایک دن رہ گیا تو میری خوشی کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ رات کو بارہ بجے تک بیٹھ کر منہدی لگائی۔ عید کے کپڑے نکال کر باہر ٹانگے۔ کہیں دو بجے جا کر ان کاموں سے فرصت ملی۔ اور سونے کے لئے لیٹی۔ مگر خوشی میں نیند کسے آتی ہے بس یہی جی چاہتا تھا کہ جلدی سے صبح ہو اور خوب سویاں کھائیں۔ آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ ابھی چار ہی بجے ہوں گے کہ میں اُٹھ بیٹھی، اور بھابی جان کو اٹھایا کہ جلدی جلدی سویاں پکائیں۔

بھابی جان بے چاری آنکھیں ملتی ہوئی اٹھیں۔ گھڑی دیکھی تو ابھی چار ہی بجے تھے۔ مجھ پر غصہ ہونے لگیں کہ کیا مصیبت آئی تھی جو تو نے مجھے جگا دیا مگر میری ضد سے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور سویّوں کی تیاری کرنے لگیں۔ اتنے میں سب اُٹھ بیٹھے اور میرے شور کرنے پر مجھے گھڑکنے لگے۔ مگر میں تو اپنی خوشی میں مست تھی۔ اسی وقت نہا دھو کر فارغ ہوگئی۔ اور کپڑے وپڑے بدل کر زیور پہنے لگی۔ غرض آٹھ بجے تک سب ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔ سب چھوٹے بڑے کپڑے پہن کر تیار ہو گئے۔ میں نے ادھر ادھر سویاں بانٹیں۔ اس کے بعد بھائی جان مجھے عیدگاہ لے گئے۔ عید کی نماز پڑھی، پھر میلے میں گئے۔ وہاں طرح طرح کے کھلونے رکھے تھے۔ میں نے بھائی جان سے کہا مجھے ایک گڑیا لے دیجئے۔ پہلے تو وہ کہنے لگے بے کار گڑیا لے کر کیا کرے گی۔ مگر میں بھلا

کب مانتی تھی۔ آخر میری ضد پر انھیں خریدنا ہی پڑی۔ وہاں سے ہم مٹھائی وغیرہ لے کر گھر آئے اور سب کو بانٹی۔

گھر پہنچ کر میں نے اپنی سہیلیوں کی دعوت کی اور ہم خوب کھیلتے کودتے رہے پھر میں ان سب کے ساتھ اپنے باغ میں گئی۔ وہاں بڑی خوب صورت خوب صورت نارنگیاں پیڑوں پر لگی ہوئی تھیں دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ میں نے اپنی سہیلیوں سے کہا آؤ نارنگیاں توڑیں۔ میرا یہ کہنا تھا کہ وہ سب لوٹ ہی تو پڑیں۔ اور دھڑا دھڑ نارنگیاں توڑنا شروع کر دیں۔ میں نے انھیں بہتیرا منع بھی کیا کہ اب بس کرو۔ بہت ہو گئی ہیں مگر وہ بھلا کاہے کو مانتی تھیں۔ اتنے میں مالی نے دیکھ لیا۔ اور ہمارے پیچھے دوڑا۔ ہم آگے آگے اور وہ پیچھے پیچھے۔ آخر ہم بھاگ کر اس سے بہت دور نکل آئے۔ اور گھر آ کے دم لیا

پھر ہم نے بہت سے پھول منگا کر ہار، سہرے، اور چوڑیاں بنائیں، اور اماں جان اور بھائی جان کو دیں۔ انھوں نے خوش ہو کر ہمیں بہت سے پیسے دیئے (اور ہم نے مٹھائی منگا منگا کر کھائی۔ شام کو ہم نے ایک ڈرامہ کیا اور ایک ایک، دو دو پیسے ٹکٹ رکھا۔ باہر کا تو بھلا کون آتا سب گھر ہی کے لوگ تھے مگر ٹکٹ کے پیسے ہم نے ان سے بھی لئے آج رات کے لئے میں نے اپنی پیاری سہیلی ثریا گھر ہی پر ٹھہرا لیا۔ ہم سب نے مل کر خوب خوب تماشے اور خوب خوب شرارتیں کیں۔ مثلاً ہم نے ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی لے کر اس پر کپڑا بچھا دیا اور کرسی میز کے پاس لگا دی، اور بھائی جان سے کہا کہ باجا بجا کے سنائیں۔ وہ جوں ہی باجہ بجانے کرسی پر بیٹھیں۔ دھڑام سے کرسی کے بیچ میں گر گئیں۔ مارے ہنسی کے ہمارے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ عید کا دن تھا اس لئے ہماری شرارتوں پر کسی نے کچھ نہ کہا اور جب ہمارا جی شرارتوں سے بھر گیا تو اپنے کمرے میں جا کر مزے سے سو رہے۔

مسجد کا قیدی

(از جناب رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

بچو! بہت دن کی بات ہے، جب میں تم سے بہت ہی چھوٹا تھا۔ شاید تمھارے چھوٹے بھائی کے برابر۔ میرا خیال ہے کہ میں نے شرارت کبھی نہیں کی۔ لیکن تم سے کیا چھپانے کی بات ہے۔ بے وقوفیاں البتہ میں نے ایسی ایسی کی ہیں کہ اور تو اور تم بھی میری بے وقوفی پر ہنسو گے تم میں سے بعض ایسے ہوں گے۔ جو نہ بے وقوف ہوں گے اور نہ شریر، کچھ لوگ ہنسی میں ایسے لوگوں کو فلاسفر کہتے ہیں۔ فلاسفروں کا خیال ہے کہ بے وقوفی اور شرارت ایک ہی چیز ہے۔ ان کے نزدیک فرشتہ اور شیطان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن بچو! میں تو بے وقوف ہوں۔ ان باتوں کو زیادہ نہیں سمجھتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ فلاسفر پر رحم کھانا اور شیطان کو معاف کر دینا انسان کی سب سے بڑی عقل مندی ہے۔ ہمارے دوست اور تمھارے شیخ الجامعہ صاحب کے بزرگوں کا حکم ہے کہ عقل مندی بے وقوفوں سے سیکھو۔

ہاں تو میں کہتا تھا کہ میں بے وقوف ہوں۔ کچھ لوگ فلاسفر ہیں اور تم بچے ہو۔ لیکن اگر تم میری بے وقوفی سے بڑھی ہوئی بے وقوفی کا قصہ پیام تعلیم میں شائع کرا سکو۔ اور شیخ الجامعہ صاحب اس کی تصدیق کریں کہ تمھاری بے وقوفی بڑھی ہوئی ہے تو میں تم کو ایسے شخص کی تصویر دوں گا۔ جس کے بارے میں شیخ الجامعہ صاحب تجویز فرمائیں گے کہ اس سے بڑا بے وقوف ان کے علم میں اس وقت ہندوستان میں کوئی نہیں۔

میں نے شرارت کبھی نہیں کی اس لئے ماں کے ہاتھ سے کبھی نہیں پٹا۔ لیکن بے وقوفیوں

نوٹ:۔ رشید صاحب نے یہ مضمون جامعہ کے بچوں کے لئے لکھا ہے اور انھیں کو اس میں زیادہ مخاطب کیا ہے۔

کے سلسلہ میں مجھے بعض ایسی سزائیں بھگتنی پڑی ہیں کہ تم سن کر بہت خوش ہوگے۔ میں جہاں رہتا تھا وہیں ایک ٹوٹی سی مسجد تھی۔ جس میں بہت سارے چمگادڑ تپسیا[۵۱] میں ٹنگے ہوئے رہتے تھے۔ اور کچھ بے ٹونٹی کے مٹی کے لوٹے رکوع[۵۲] اور سجود میں۔ کسی زمانے میں اس میں ایک احاطہ تھا۔ جس کی ساری دیواریں گر گئی تھیں۔ لیکن سامنے کا دروازہ قائم تھا۔ کواڑ اور کنڈی بھی تھی۔ میرا ایک بوڑھا ملازم تھا۔ فضلو نام۔ نہایت پتلا دبلا، اس کے ہاتھ ایسی لکڑی کے معلوم ہوتے تھے جس پر سے چھال علیحدہ نہ کی گئی ہو۔ خاموش، جھکا ہوا، عین، مین ٹوٹی ہوئی مسجد کی مانند، صبح کے زمانے میں ہیں اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر گھوما کرتا تھا۔ کبھی میں اسے پسند بھی کرتا تھا۔ لیکن آگے چل کر تم کو معلوم ہوگا کہ میں کیوں اس سے بیزار ہوگیا۔

والدہ کی سخت تاکید تھی کہ بڑے بھائی کا نام نہ لیا کرو۔ بھائی صاحب کا پیار کا نام والدین نے صمنا رکھا تھا۔ اکثر غصہ میں آکر میں ان کو بھائی صاحب کے بجائے 'صمنا' کہہ دیتا تھا۔ اس کی شکایت ہوتی تو والدین مجھے بُرا بھلا کہتے۔ مدتوں میں یہی سمجھتا رہا کہ سب سے بڑی گالی 'صمنا' تھی۔ ایک دن بھائی صاحب کی شکایت لے کر ماں کے پاس پہنچا۔ آپ کو معلوم ہے میں بچپن میں بے وقوف تو تھا ہی۔ کمزور اور مریض بھی تھا۔ اس لئے ماں کے پاس ہر شکایت رو رو کر پیش کرتا، میرا رونا کچھ ایسے سُر سے ہوتا تھا کہ لوگوں کو ہمدردی کے بجائے ہنسی آجاتی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ٹھیک سُر سے رونا بہتر ہے۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی کے رونے پر ہنسنا اچھی بات

۵۱۔ یہ ہندی لفظ ہے۔ اس کا مطلب ریاضت (عبادت) سے ادا ہوتا ہے۔ تم اس لفظ کو ابھی کیا سمجھو گے بس یوں سمجھو کہ ہندو سادھو اپنے دل کی خواہشوں کو مارنے کے لئے جو مشقت کرتے ہیں اسے تپسیا کہتے ہیں۔

۵۲۔ رکوع اور سجود کے معنی تو تم سمجھتے ہو۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ کوئی ان لوٹوں کی خبر لینے والا نہیں تھا اور یہ یوں ہی اوندھے سیدھے پڑے رہتے تھے۔

نہیں ہے اور کسی کے ہنسنے پر رونا تو اس سے بھی بری بات ہے۔ مگر چونکہ میں بے وقوف ہوں اس لئے اکثر یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت تک رونا نہیں چاہیئے جب تک اس کا اندیشہ ہو کہ دوسرے ہمارے رونے پر ہنس پڑیں گے

ہاں تو والدہ کے پاس شکایت لے کر پہنچنے کا قصہ یہ ہے کہ میں نے بھائی صاحب کی کتاب پھاڑ ڈالی سبب یاد نہیں آتا۔ ممکن ہے انھوں نے میری کتاب پھاڑ ڈالی ہو۔ گو اس وقت تک مجھے پڑھنے لکھنے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بہر حال اس سے پہلے کہ ان کو شکایت کرنے کا موقع دیتا میں خود روتا ہوا والدہ کے پاس پہنچا۔ جب تک میں روتا رہا وہ خاموش رہیں۔ میں یہ سمجھا کہ میرا رونا کارگر ہو رہا ہے۔ لیکن کارگر ہونے کی بھی حد ہوتی ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ میرے رونے کے علاوہ دوسروں کے ہنسنے بولنے کی طرف بھی متوجہ ہیں تو میں مجبوراً خاموش ہونے لگا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ کیا ہوا تو میں نے نئے سرے نہایت بلند لہجے میں اور یک لخت (ایکا ایکی) ایک نعرہ سا لگایا۔ کہ بھائی صاحب نے گالی دی ہے۔ والدہ کو گالی سے بڑی نفرت تھی اکثر کہا کرتی تھیں کہ گالی سے بہتر مار پیٹ ہے۔ غرض بھائی صاحب بلائے گئے۔ گھر کے سب لوگ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ بھائی صاحب سے جواب طلب کیا گیا۔ تو وہ ھکّا بکّا رہ گئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ انھیں سے پوچھئے کیا ہوا، میں نے چیخ کر کہا۔ اور مجھے اب کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری آواز میں ایک طرح کی بکائیت[۱] بھی پائی جاتی تھی، کہ انھوں نے مجھے بڑے زور سے صمنا کہا ہے میں نے اپنے فاتحانہ نعرہ کو ذرا اور بلند کر دیا۔ لیکن میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب سارے گھر والوں نے میری آواز سے کہیں بلند قہقہہ لگایا۔

---

[۱] رونے کا سا انداز۔

اب بھائی صاحب کی باری تھی۔ انھوں نے جو میرے خلاف الزام پیش کیا۔ اس میں مجھے "تا وقت[۵۱] طعام" قید کی سزا دی گئی۔ فضلو بلایا گیا۔ سزا یہ سنائی گئی کہ اسے مسجد میں لے جا کر بند کر دو۔ وہاں اسے "سیار[۵۲]" کھا جائے گا۔ نوکر مجھے پیٹھ پر بٹھا کر مسجد میں لایا اور احاطہ کے دروازے سے اندر کر کے کنڈی چڑھا دی۔ میں دو گھنٹے تک دروازہ کو دھکا دیتا رہا۔ بہت کچھ شور مچایا، کہ دروازہ کھولو۔ جب کسی نے نہ سنا تو خاموش ہو کر بیٹھ رہا۔ بچو تم ہی بتاؤ ایسی حالت میں تم کیا کرتے اس میں شک نہیں کہ دو ہی گز کے فاصلے پر دیوار گری ہوئی تھی۔ اور تمام احاطہ کی دیوار زمین دوز تھی۔ لیکن آخر مجھے یہ کیسے معلوم ہوتا کہ جس راستے سے آدمی مسجد میں داخل ہو۔ اس کے علاوہ بھی کوئی راستہ نکلنے کا ہو سکتا ہے۔

ہاں تو میں اپنی ہر بے وقوفی پر مسجد میں قید کیا جاتا۔ سیار کبھی نظر نہیں آیا، اس لئے میں یہی سمجھتا رہا کہ مسجد میں بند ہونا اور نہ نکلنا سیار ہے میں نے اپنی بے وقوفی پر کبھی غور نہیں کیا تم جانتے ہو بے وقوف غور نہیں کیا کرتے۔ لیکن مجھے فضلو سے سخت نفرت ہو گئی۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی دن ایسا آئے جب میں اسے پیٹھ پر بٹھا کر مسجد میں قید کرا آؤں۔

بچو، مجھے یقین ہے کہ تمھیں بے وقوف سے بڑی دل چسپی ہوتی ہے گو تمھاری دل چسپی ایک بے وقوف کے لئے سخت خطرناک چیز ہے۔ لیکن میں اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتا ہوں۔ اس لئے کہ میں بڑا آدمی ہو گیا ہوں، اور تم جانتے ہو۔ بڑے آدمی کو ہمیشہ اس کا اختیار رہتا ہے کہ جتنا ہی لوگ اسے احمق سمجھیں اتنا ہی وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔ تو قصہ یہ ہے کہ فضلو کو چغلی اور مجھے مٹی کھانے کا بڑا شوق تھا۔ اتنی سی بات پر ایک دن والد صاحب نے میرے دونوں کان پکڑ کر مجھے

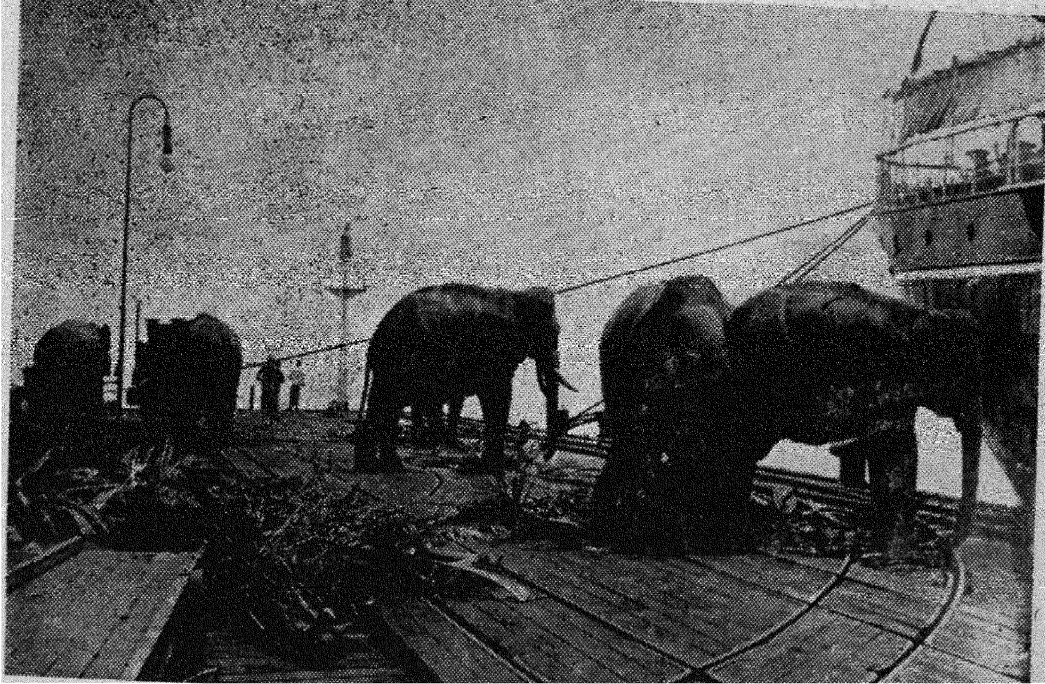
۵۱۔ تا معنے تک طعام۔ کھانا ـــــ یعنی کھانے کے وقت تک۔ ۵۲۔ گیدڑ

اتنا اونچا کردیا جتنا کہ میں اب ہوں یہ تجربہ کچھ اچھا نہ تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مٹی منہ میں ہو۔ اور زبان باہر اور ساری دنیا کچھ ایسی معلوم ہو رہی ہو کہ مٹی کھانے پر اسے بھی کسی نے کان سے پکڑ کر اٹھالیا ہے۔ والدہ نے مجھے لپک کر زمین پر آنے سے پہلے ہی گود میں لے لیا۔ میں نے اس وقت خیال کیا کہ جب اپنا کان دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو ماں کی گود سب سے اچھی چیز ہے۔ اس چیز کو تم ابھی نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ تم ٹھہرے بچے اور میں ٹھہرا بے وقوف!

اس واقعہ سے مجھے اپنی بے وقوفی سے ہمدردی اور فضلو سے سخت نفرت ہوئی۔ چنانچہ میں نے انتقام[۵۱] کی تدبیر سوچی یہ بھی جانتا تھا کہ میں کتنا ہی چھپ چھپا کر کوئی حرکت کیوں نہ کروں۔ فضلو کو ضرور خبر ہو جائے گی۔ بڑے حیص بیص میں تھا، ایک طرف فضلو کی شخصیت، دوسری طرف انتقام کا جذبہ، تیسری طرف مٹی کھانے کی رغبت۔ آخر کار مٹی کھانے کا شوق غالب آیا۔ جب کھا چکا تو خوف طاری ہوا۔ بزدلی نے انتقام پر مائل کیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ فضلو سو رہا تھا۔ پگڑی سرہانے رکھی تھی۔ میں نے چپکے سے جاکر فضلو کی پگڑی سے منہ صاف کیا۔ مٹی کے دھبے دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ کہ فضلو سے انتقام لے لیا گیا۔ کچھ دیر ٹھہر کر اپنی فتح پر دل ہی دل میں خوش ہوا۔ لیکن جلد ہی یہ معلوم ہوا۔ جیسے یہ دھبے فضلو سے میری شکایت کر رہے ہیں۔ اور مجھے اس طور پر نظریں بدل بدل کر دیکھتے ہیں گویا انتقام کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ میں وہاں سے بھاگا۔ گھر میں آیا تو سب لوگ سو رہے تھے ماں کی چارپائی پر جاکر لیٹ رہا۔ بڑی کوشش کی کہ سو جاؤں لیکن پگڑی کے دھبے آنکھوں کے سامنے آجاتے تھے۔ بچو! تمھیں نہیں معلوم کہ جب چیز کو تم دیکھنا نہ چاہو۔ اور وہ آنکھ بند کرنے پر بھی دکھائی دے تو بڑی وحشت ہوتی ہے۔

---

[۵۱] انتقام کسی سے بدلہ لینا۔



ھمارے یہاں ھاتھي سے عام طور پر سواری کا کام لیا جاتا ھے - شکاری اس پر چڑھکر شیر اور چیتے وغیرہ کا شکار بھي کھیلتے ھین - لیکن برما ، آسام اور سنگاپور مین اس سے لٹھے اور دوسرا بھاري بھاری سامان اُٹھواتے ھیں اس تصویر میں ھاتھیوں کا ایک گروہ سنگا پور کے بندرگاہ پر ایک جہاز سے سامان اُتار رھا ھے



یہ برسات کا موسم ہے ہرجگہ خوب زوروں کي بارش ہو رہي ہے - کہیں کہیں تو بارش کی وجہ سے سیلاب بھی آگیا - اور بہت سے مکان تباہ اور بے شمار آدمي پاني میں بہ گئے - پچھلے دنوں بمبئی میں ایسا موسلادھار مینہ برسا کہ سڑکوں پر گھٹنوں گھٹنوں پاني آگیا - ذرا اس تصویر مین دیکھو سڑک بالکل دریا بنگئي ہے -

Calcutta Art Press, Delhi.

سوکر اٹھا تو پگڑی کے دھبے پھر سامنے آگئے۔ میں نے والدہ سے کہا، اماں بی فضلو کو گھر سے نکال دیجئے، انھوں نے کہا یہ کیوں؟ میں نے کہا فضلو مٹی کھاتا ہے۔ اور اپنی پگڑی سے منہ پوچھتا ہے۔ پگڑی سے منہ پوچھنا بری بات ہے۔ مجھے اس کے دھبوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ دیکھئے میرا منہ کتنا صاف ہے میں نے یہ فقرہ ذرا بے وقوفی سے کہہ دیا تھا۔ اور کہا ہی نہیں بلکہ منہ بھی کھول دیا۔ اور تم جانتے ہو بے سوچے سمجھے منہ کھولنا بے وقوفی ہے۔ ماں نے دیکھا کہ مٹی کھانے سے زبان، دانت اور ہونٹھ سارے میلے ہو رہے ہیں۔ اتنے میں فضلو نے دروازہ پر سے آواز دی۔ بی بی دیکھئے پگڑی کا ستیاناس ہوگیا۔ اس کے بعد نہیں معلوم کیا ہوا۔ اتنا البتہ یاد ہے کہ فضلو کی پیٹھ تھی۔ میں تھا اور فضلو کی پگڑی کے میلے میلے دھبے تھے۔ جن کی شکل ہو بہو اس غیر آباد مسجد کی تھی۔ جس میں درواز۔ تھا۔ دیواریں نہ تھیں۔

میں اب بھی بے وقوف ہوں۔ لیکن افسوس کہ بے وقوفی نہیں کرسکتا۔ مبارک ہو کہ تم ابھی بے وقوفی کرسکتے ہو۔

لطیفہ

استاد۔ کل تم اسکول کیوں نہیں آئے

رام۔ ماسٹر صاحب کل مینہ برس رہا تھا۔ اماں نے آنے نہیں دیا۔

استاد۔ مگر اور لڑکے تو آئے تھے۔

رام۔ ان کی مائیں سوتیلی ہوں گی۔

برسات

(سید مسعود علی - مسعود لاج - شہر میرٹھ)

ابھی پچھلے دنوں کیسی گرمی پڑ رہی تھی کہ خدا کی پناہ - نہ اُٹھتے چین نہ بیٹھتے چین - زمین کیا تھی دوزخ بنی ہوئی تھی - لُو نے وہ دوستایا تھا کہ بس توبہ ہی بھلی - انسان اور حیوان سب ہی چھپتے اور اپنی جان بچاتے پھرتے تھے - بڑے بڑے شہروں میں دوپہر کا سناٹا - قبرستان کی خاموشی کو یاد دلاتا تھا - ندی - نالے اور درخت سب ہی پانی نہ ملنے کی وجہ سے خشک ہو رہے تھے - جدھر نظر جاتی تھی زمین چٹیل میدان نظر آتی تھی - سبزہ کا کہیں نام نہ تھا - آخر کار خداوند تعالیٰ کو جو اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ مہرباں ہے - اپنی مخلوق کی یہ تکلیف اور پریشانی گوارا نہ ہوئی - رحمت کو جوش آیا اور خوب ہی چھما چھم بارش ہوئی - بارش کیا ہوئی - جاندار تو الگ رہے - مٹی میں بھی جان پڑ گئی جسے دیکھو خوش خوش نظر آتا ہے جنگل میں منگل ہو رہا ہے - جانور کیسی کلیلیں کرتے پھرتے ہیں - آہا ! ذرا مور کو دیکھنا کیسا خوش خوش ناچ رہا ہے - پپیہے کی پی کہاں - پی کہاں دل کو کیسا بھاتی ہے - مینڈک الگ اپنا راگ الاپ رہے ہیں - باغوں میں جھولے پڑے ہوئے ہیں - اور ملہار گائے جا رہے ہیں - غرض انسان اور حیوان سب ہی خوشی منا رہے ہیں - وہی جنگل جو چند روز پہلے کاٹنے کو دوڑتا تھا اب کیسا ہرا بھرا ہو رہا ہے - جہاں تک نظر جا سکتی ہے سبزہ ہی سبزہ لہلہاتا نظر آتا ہے - وہی میدان جو چند روز پہلے بالکل چٹیل اور بے رونق تھے اور خاک اُڑ رہی تھی اب سبز مخمل کا لباس پہنے دلہن بنے ہوئے ہیں - سبزہ سے اس

قدر جھکے ہوئے ہیں کہ زمین تک نظر نہیں آتی خدا کی شان ہے کہ پہلے گرمی اور خاک کے ڈر سے جنگل میں جانے سے نفرت ہوتی تھی اور اس طرف دیکھنا بھی آنکھوں کو ناگوار تھا۔ اب وہی جنگل جنت کا نمونہ بنا ہوا ہے اور اب وہیں رہنے کو جی چاہتا ہے چاروں طرف سبزہ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں، ٹھنڈی ہوائیں۔ طرح طرح کے پرندوں کی پیاری پیاری بولیاں۔ دل باغ باغ ہوا جاتا ہے بھلا گھر میں یہ نعمتیں کہاں میسر۔

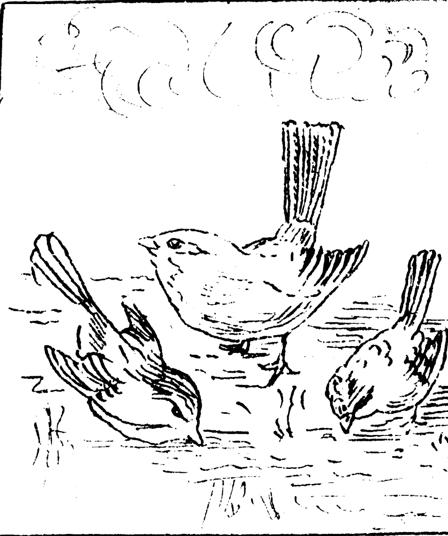
ذرا کسان کو دیکھنا۔ جب تک بارش نہ ہوئی تھی کیسا نڈھال اور مایوس ہو رہا تھا اب مینہہ برسنے سے کیسا نہال ہے۔ اور اپنی لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر کس مزے سے خوشی کے گیت گا رہا ہے۔

تال، تلیاں، ندی، نالے سب ہی بھرے ہوئے ہیں۔ درختوں کے پتے بارش سے دھل کر کیسے خوب صورت نکل آئے ہیں۔ باغوں میں کہیں پکوان پک رہے ہیں کہیں نوروز منائے جا رہے ہیں۔ غرض برسات کی بدولت عجیب چہل پہل ہے برسات کیا آئی ہر ایک کے لئے خوشی اور زندگی کا پیغام لے کر آئی۔ جاڑا آتا ہے۔ گرمی آتی ہے کوئی خوشی نہیں مناتا۔ لیکن برسات کے آنے سے ہر ایک خوش و خرم نظر آتا ہے اور اس کے آتے ہی دنیا کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ برسات ہی پر ایک بڑی حد تک انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی کا دارو مدار ہے، یوں سمجھئے کہ یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بخشی ہے۔

گوریّا

(از جناب ع ع صاحب)

گوریا اس ملک میں بہت نظر آتی ہے کوے اور چوہے کی طرح یہ بھی آدمیوں کے آس پاس رہنا پسند کرتی ہے جہاں کہیں بھی انسانوں کی آبادی ہوگی گوریا کوے اور چوہے ضرور ملیں گے۔ ذرا اس کی موٹی چونچ کو دیکھو۔ یہ ان چڑیوں کی نشانی ہے جو دانے چگتی ہیں۔ نر کا سر بھورا ہوتا ہے چہرہ سفید ہوتا ہے اور ٹھوڑی سے لے کر سینے تک ایک لکیر ہوتی ہے، مادہ کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔ بھویں ہلکے زرد رنگ کی ہوتی ہیں، اور پروں پر ایک باریک سی سفید



لکیر ہوتی ہے۔۔ دوسری چڑیاں تو اگر کبھی گھر میں آتی ہیں تو صحن سے آگے نہیں آتیں مگر گوریا دانے کی تلاش میں گھر کا کونا کونا چھان مارتی ہے اور اگر آبادی میں اناج نہیں پاتی تو کھیتوں میں پہنچ کر دانہ چگتی ہے۔ کئی گاؤں کی سب گوریاں ایک جگہ مل کر کسی جھاڑی میں رات بسر کرتی ہیں اور اتنا شور مچاتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ یہ خیال غلط ہے کہ چڑیاں اپنے گھونسلے میں سوتی ہیں بہت سی چڑیاں تو اپنا گھونسلا صرف انڈوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے

بناتی ہیں اور جوں ہی بچے بڑے ہو جاتے ہیں۔ گھونسلا چھوڑ دیتی ہیں۔ اگر تم معلوم کرنا چاہتے ہو کہ چڑیاں کہاں بسیرا لیتی ہیں۔ تو شام کو باہر نکل کر دیکھو کچھ تو سونے سے پہلے اتنا شور مچاتی ہیں کہ ان کا پتہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ آگے بڑھو گے تو ایک جھاڑی میں کئی سو گوریوں کو جمع ہوتے ہوئے دیکھو گے۔ یہ چند ہفتے ایک جھاڑی میں بسیرا لیتی ہیں۔ اور پھر یک بہ یک اسے چھوڑ دیتی ہیں۔ اب بھلا ان سے کون پوچھے کہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔

ایک گوریا سال میں کئی جھول پیدا کرتی ہے۔ شاید کوئی مہینا ایسا گذرتا ہو جب اسے گھونسلا نہ بنانا پڑتا ہو۔ وہ کسی سوراخ میں یا درخت کے کھکھل میں اپنا گھونسلا بناتی ہے۔ تنکا، گھاس، گودڑ کاغذ، روئی، اون غرض جو کچھ جہاں سے پاتی ہے۔ بے ترتیبی سے جمع کر دیتی ہے جب گھونسلا بن جاتا ہے تو مادہ پانچ یا چھ خوب صورت انڈے دیتی ہے۔ ان انڈوں کا رنگ ہرا، پیلا یا بھورا ہوتا ہے، اور ان پر گہرے رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں جب بچے پیدا ہو جاتے ہیں تو ماں باپ انھیں طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لا لا کر کھلاتے ہیں۔ بچے بڑے ہو کر اُڑ جاتے ہیں۔ اور گھونسلا ویران ہو جاتا ہے۔

لطیفہ

بچہ :- ابا ہم تمھیں اپنے بیاہ میں نہیں بلائیں گے۔

باپ : کیوں بھئی!

بچہ : تم نے ہمیں اپنے بیاہ میں کب بلایا تھا۔

پڑھنے کی کتابیں

ناموران سائنس

از جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی اے۔ یہ اصل میں ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ ملک کے مشہور اہل قلم جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی نے بہت آسان زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ کتاب میں سائنس کے ان مشہور عالموں کے حالات ہیں جو یورپ کے ملکوں میں پیدا ہوئے۔ اور اپنی قابلیت سے سائنس کے علم کو بہت ترقی دی نئی نئی باتیں ایجاد کیں، ایسے ایسے کام کئے جو پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ مثلاً ریل، چھاپہ خانہ گیس کی روشنی، بجلی کی روشنی، مختلف قسم کے بیماریوں کے علاج، دوائیں اور بیماری کے کیڑوں کی دریافت وغیرہ وغیرہ، علاوہ ان کے بہت سے نئے نئے علم ایجاد کئے بہت سی پرانی باتیں جنھیں لوگ ہزاروں برس سے مانتے چلے آتے تھے انھوں نے اپنے علم عقل اور تجربے کے زور سے انھیں جھٹلایا اور ان کی جگہیں نئی باتیں پیش کیں۔ اور تمام دنیا میں شہرت حاصل کی، کتاب میں ایسے ۱۵ مشہور عالموں کے حالات ہیں، اور خوشی کی بات ہے ان میں دو ہندوستان کے بھی ہیں یعنی سر جگدیشں چندر بوس اور سر پی سی رائے۔

کتاب کے دیکھنے سے تمھیں معلوم ہوگا کہ ان تمام نامور لوگوں میں سے اکثر نے محض معمولی حالت سے ترقی کی ہے۔ کوئی کسان تھا تو کوئی حجام تھا اور کوئی مزدور۔ مگر انھوں نے اپنے شوق، ہمت، محنت، صبر اور استقلال کی بدولت اتنا کمال پیدا کیا کہ آج زمانہ ان کے کمال کو مانتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دنیا انھیں کی بدولت آرام و آسائش کی زندگی گذار رہی ہے، اس سے تمھیں یہ بھی اندازہ ہوگا کہ سائنس کا علم نہ ہوتا تو نہ یہ ریل ہوتی نہ بجلی نہ تار برقی، نہ موٹر، نہ ہوائی جہاز اور نہ انسان کے آرام و آسائش کی اور بہت سی چیزیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اردو میں سائنس کی کتابیں۔ اب بہت ہوگئی ہیں۔ یہ کتاب بہت صاف چھپی ہے صفحے ڈیڑھ سو ہیں پیچ پیچ میں۔ ناموران سائنس کی تصویریں بھی ہیں قیمت ۱۰ر ہے۔ مکتبہ جامعہ سے مل سکتی ہے۔

بہار کے پھول

حضرت ابوالاثر حفیظ جالندھری پنجاب بلکہ ہندوستان کے مشہور اردو شاعر ہیں۔ آپ نے شاہنامہ اسلام وغیرہ بہت سی اچھی اچھی کتابیں نظم میں لکھی ہیں۔ ان کتابوں نے بہت ہی مقبولیت حاصل کی ہے مگر تمھیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ بڑوں کے لئے ہی لکھتے رہتے ہیں نہیں انھوں نے تمھارے لئے بھی ننھی ننھی خوبصورت خوب صورت اور پیاری پیاری نظمیں لکھی ہیں جنھیں ایک دفعہ پڑھ کر جی نہیں بھرتا۔ بلکہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ تم تو خیر اس بات کو کیا سمجھو گے مگر ہے یہ کہ بچوں کے لئے شعر لکھنا بہت مشکل ہے۔ انسان بچوں کا سا دل اور انھیں کی سی زبان پیدا کرے تو شعر لکھے مگر حضرت حفیظ نے اس مشکل پر بڑی خوبی سے قابو پالیا ہے۔ ان کی بعض نظموں میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچہ بول رہا ہے۔

بہار کے پھول میں کل ۲۰ نظمیں ہیں ویسے تو ایک سے ایک اچھی ہے مگر جگنو، تیتری، شبرات، گنگا، عید، رہٹ، برسات، دھنک، دھوبی کا راگ، پہلی رات کا چاند، بھائی کی یاد ایسی نظمیں ہیں جو تمھارے لئے خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ یہ کتاب دارالاشاعت کی طرف سے شائع ہوئی ہے ۸ر قیمت ہے۔ مکتبہ جامعہ سے مل سکتی ہے۔

ایک اچھا تحفہ

سال گرہ نمبر کے بارے میں اسی پرچے میں کسی دوسری جگہ تم سے بہت سی باتیں اڈیٹر صاحب نے کہی ہیں۔ ہم بھی تمھیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ نمبر انشاءاللہ بہت شاندار اور پچھلے سال کے سال گرہ نمبر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ باوجود اس کے اس کی قیمت ہم نے بہت ہی کم رکھی ہے یعنی صرف ۸،

یہ پرچہ ہم تمھیں تو مفت دیں گے ہی لیکن اگر تم اس کی زائد کاپی حاصل کرنی چاہو تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ پیامِ تعلیم کے ایک نئے خریدار کا پتہ بھیج دو۔ وی۔ پی وصول ہونے کے بعد یہ زائد نمبر تمھیں یا تمھارے کسی دوست یا عزیز کے پاس جس کا پتہ تم بتاؤگے، ہم بھیج دیں گے، کیوں کہ یہ دوست احباب کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بھی ایک بہترین تحفہ ہوگا۔

تو اب ذرا نئے خریداروں کے نام ہمارے پاس جلد سے جلد بھیج دو، تاکہ ہم پرچہ چھپواتے وقت اس کا خیال رکھیں۔

"مینجر"

تصویر بنانے کا آسان طریقہ

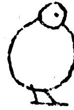
پچھلے پرچے میں مرغ کی تصویریں دی گئی تھیں - اور مرغی کی جو انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی - اب یہ بچے انڈے سے نکل آئے ہیں - اور دیکھو مرغی کے ساتھ کیسے خوش خوش پھر رہے ہیں - پہلی تصویر میں صرف بچے کی تصویر ہے اور دوسری میں مرغی اور بچوں کی، یہ تصویریں تم بھی بنانے کی کوشش کرو - دیکھو کتنی آسان ہیں -



۱



۲



۳



۴



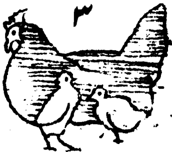
۵

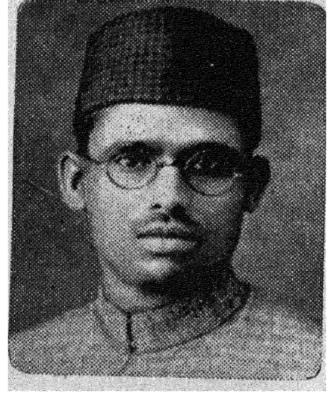


۶









جناب سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ ایڈیٹر پیام تعلیم - انھیں تو تم اچھی طرح جانتے ہو - آپ دو برس کے لئے امریکہ تشریف لے گئے ہیں وہاں وہ اس بات کی تعلیم حاصل کریں گے کہ بچوں یعنی تم لوگوں کو پڑھانے کا کون سا ایسا اچھا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے تم خوب دلچسپی سے پڑھو -



سمندر کا ایک بہت ہی اچھا منظر

Calcutta Art Press, Delhi.



ذرا ان میاں هاتھي کو دیکھو بھرے بازار میں چلتےچلتے ان کے جي میں آئي که آرام کرنا چاهئے بس وهیں بیٹھه کر سستانے لگے - اب بھلا لندن کا بازار ! وهاں ویسے بھی خوب گھما گھمي رهتي هے - پھر چوراها !! چاروں طرف سے موٹروں اور لاریوں کا تانتا بندها هوا - اک ذرا کے ذرا میں اُن کے گرد خلقت کا هجوم اکٹھا هو گیا - مہاوت اور پولیس والا دونوں بہتیرا انهیں اُتھانے کي کوشش کرتے هیں مگر یه کہاں اپني جگه سے هلتے هیں -

پیامِ تعلیم

جلد ۱۷ | بابت ماہ ستمبر سنہ ۳۴ء | نمبر ۳



فہرست مضامین

پیام تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عا۸ر فی پرچہ ۴ر

بابو محمد اکرم صاحب ۔ بسی
میونسپل کمیٹی ۔ لدھیانہ
ہیڈ ماسٹر صاحب ۔ ودیا بھوان ۔ اودے پور
عشرت حسین صاحب ۔ ردولی ۔
عبدالحمید خاں صاحب منصف ، کیرانہ
محمد ابراہیم صاحب عرف مرزا سرگذشت ۔ بھپالہ
مسلم گرلز اسکول ۔ رنگون
مدرسہ وسطانیہ ۔ تعلقہ نیلنگہ
عبدالحمید خاں صاحب متعلم ۔ غازی پور
پی ۔ علوی صاحب ۔ بلیا پاٹم ۔
سید شہاب الدین مصطفیٰ صاحب' نولکنڈہ

بذریعہ عبدالحفیظ صاحب (ناندیڑ)
محمد یوسف صاحب متعلم ۔ ناندیڑ
عبدالباری صاحب " "
ہاشم و ناظم صاحبان " "
محمود خاں صاحب " "
غلام حسین صاحب ۔ " "
عبدالرشید صاحب " "
غلام محبوب صاحب " "
بذریعہ مس سعید اللہ صاحب (علی گڑھ)
زاہدہ بیگم صاحبہ
مسز محبوب حسین صاحب ۔

بچوں سے باتیں

اب کے بار پیام تعلیم کے انتظام میں ایک خاص تبدیلی ہو رہی ہے۔ جناب سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ۔ جو شروع سے تمہارے پرچے کے اڈیٹر ہیں اس مہینہ بچوں کے پڑھانے کا طریقہ سیکھنے دو برس کے لئے امریکا تشریف لے گئے ہیں۔

ادھر کچھ دنوں سے وہ جامعہ کے کاموں میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ پیام تعلیم کی طرف توجہ کرنے کی انھیں بالکل مہلت نہیں ملتی تھی، انھیں اس بات کا افسوس تو تھا مگر یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے تھے کہ ان کے کام نہ کر سکنے کی وجہ سے پیام تعلیم کے کاموں میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ اور دن بدن اس کی حالت سدھر رہی ہے اس لئے جامعہ سے جدا ہوتے وقت پیام تعلیم کی طرف سے انھیں بالکل فکر نہیں تھی۔ بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جن ہاتھوں میں پیام تعلیم کا انتظام ہے مجھے پورا اطمینان ہے کہ وہ پیام تعلیم کو بہت اچھی طرح چلائیں گے اور ہمیں بھی جہاں اپنے محترم بھائی کی اتنی مدت کے لئے جدائی کا افسوس ہے۔ وہاں اس بات کی خوشی بھی ہے کہ انھوں نے ہمارے کام پر اطمینان ظاہر کیا۔ ہم انھیں بھی اطمینان دلاتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو پیام تعلیم نہ صرف یہ کہ اسی شان سے نکلے گا بلکہ اس کی حالت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور دو برس کے بعد جب سعید صاحب جامعہ میں واپس تشریف لائیں گے تو یہ کچھ سے کچھ ہو چکا ہوگا۔

سعید صاحب نے ہم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ پیام تعلیم کے لئے وہ اپنے سفر کے حالات اور امریکا پہنچ کر وہاں کے اسکولوں، بچوں ان کی دلچسپیوں اور کھیلوں کے متعلق اچھے اچھے مضمون لکھ کر بھیجیں گے۔ یہ مضمون تمہارے لئے بہت مفید اور بہت دلچسپ ہوں گے۔

دہلی سے روانہ ہونے سے پہلے جامعہ کی استادوں کی انجمن اور مختلف دار الاقاموں (Hostels) کی طرف سے سعید صاحب کے اعزاز میں چاء اور کھانے کی دعوتیں کی گئیں۔ ۲۰ اگست کو پیام تعلیم کی طرف سے بھی ایک دعوت کا انتظام تھا۔ اس دعوت میں جامعہ کے

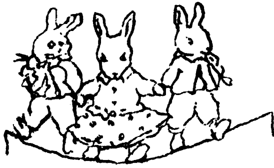
استاد، پیام تعلیم کے مضمون نگار اور بہت سے معزز حضرات شریک تھے۔ پیام تعلیم کی طرف سے یادگار کے طور پر ڈاکٹر اقبال کی بہت اچھی کتاب جاوید نامہ بھی پیش کی گئی۔ سعید صاحب اسی رات کو یہاں سے روانہ ہوگئے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ خیریت کے ساتھ امریکا پہنچیں اور وہاں سے کامیابی کے ساتھ لوٹ کر آئیں

پیام تعلیم کے پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں سے انھیں صفحوں میں ہم نے پیام تعلیم کے خریدار پیدا کرنے کی کئی بار درخواست کی تھی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آہستہ آہستہ اس کا اثر ہو رہا ہے اور بچے اب اپنے پرچے کی طرف توجہ کرنے لگے ہیں ضیا احمد خاں صاحب بھیمڑی اور اخلاق الرحمن صاحب قدوائی ایک ایک خریدار دے چکے ہیں۔ جس کا ذکر پچھلے پرچے میں آچکا ہے۔ اس مہینے میں ہماری عزیز بہن انیس سعید صاحبہ علی گڑھ نے دو، اور عبدالحفیظ صاحب (ناندیڑ) نے سات خریدار بنائے ہیں۔ ہم ان سب بہن بھائیوں کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ ان عزیزوں کی طرح ہمارے دوسرے بھائی بھی اپنے پرچے سے ایسی ہی محبت اور دلچسپی کا ثبوت دیں۔

اگست کے پیام تعلیم میں ہمارے محترم بزرگ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا ایک بہت ہی اچھا اور دلچسپ مضمون "مسجد کا قیدی" شائع ہوا تھا پیام تعلیم کے پڑھنے والے بچوں نے اس مضمون کو بے حد پسند کیا۔ ہمارے پاس ان گنت خط آئے ہیں جن میں اس مضمون کی بے حد تعریف کی گئی ہی اور ہم سے درخواست کی گئی ہی کہ رشید صاحب سے ایسے ہی اچھے اچھے دلچسپ مضمون لکھوا کر پیام تعلیم میں شائع کرائیں۔ امید ہی کہ ہمارے محترم مضمون نگار بچوں کی اس درخواست کو رد نہ فرمائیں گے ملک کے بہت سے مشہور اردو اخباروں نے بھی اپنے اردو پرچوں میں اس مضمون کو پیام تعلیم کے حوالے سے نقل کیا ہی۔

پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کے بارے میں ہم پچھلے پرچہ میں بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ منیجر صاحب کا اس سلسلے میں ایک اعلان بھی شائع ہو چکا ہی۔ کام نہایت اہتمام سے ہو رہا ہی امید ہے کہ تم بھی اچھے اچھے مضمون اور اچھی اچھی نظمیں بھیج کر، مفید مشورے دے کر اور پیام تعلیم کے خریدار بنا کر ہمارا ہاتھ بٹاؤ گے۔ اگر تمھیں مضمون بھیجنا ہوں تو جلدی کرو۔ نہیں تو ہم شائع نہیں کر سکیں گے، اور تمھیں شکایت ہوگی

شرارت



(محمد حسین حسان)

بچپن میں شرارت تو سبھی کرتے ہیں، اور کچھ انسانوں ہی کے بچوں پر موقوف نہیں جانوروں کے بچے بھی بڑے شریر ہوتے ہیں۔ اور یہ کوئی بری بات بھی نہیں۔ مگر شرارت ایسی نہ ہونی چاہیے جس سے ماں باپ یا اپنے بڑوں کو تکلیف پہنچے، اور ہر ایک اسے ناپسند کرے ہمیں یقین ہے کہ تم بھی ایسی شرارتوں یا بدتمیزیوں سے دور رہتے ہوگے۔ ہاں تو ہم نے کہا تھا کہ جانوروں کے بچے بھی بڑے شریر ہوتے ہیں۔ اور یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ دیکھو بی خرگوشنی کے تینوں بچے رِگل، مِگل اور ٹگل بڑے ہی شریر تھے۔ بس ماں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ دن رات کھیل کود مارپیٹ، لڑائی، بھڑائی میں گذارتے رات میں بھی اودھم مچاتے رہتے۔ کبھی وقت پر نہ سوتے۔ مدرسے جانے کی تو قسم کھا رکھی تھی۔ بدتمیز اور گھنونے اتنے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ تک نہ دھوتے۔ ماں بے چاری چیختی چلاتی رہتی۔ مگر یہ اس کان سنتے اور اس کان اڑا دیتے۔ ماں کا کہا مانتے نہ باپ کی مرضی پر چلتے۔

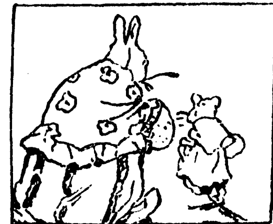
ایک دن بی خرگوشنی کے یہاں چوہیا خانم میاں خرگوش خاں اور بہت سے مہمان جمع تھے۔ باتوں باتوں میں بی خرگوشنی اپنا دکھڑا لے بیٹھیں۔ اور کہنے لگیں۔ اے بہن ان بچوں نے تو مجھے عاجز کر رکھا ہے۔ ناک کی پھنگی میں دم آگیا ہے میری تو عقل حیران ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیسے ٹھیک ہوں گے۔

خرگوش خاں:- میرے قبضے میں ہوں تو ایسا دوڑاؤں کہ ہوش ٹھکانے آجائیں۔



بی خرگوشنی :- میں نے یہ بھی کر دیکھا ہے۔

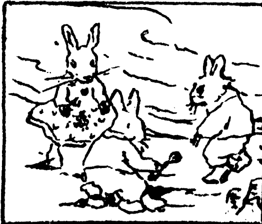
چوہیا خانم :- اے ہے نوج کسی کے ایسے بچے ہوں بیوی۔ میں تو انھیں بھوکا ہی سلاؤں۔



بی خرگوشنی :- مگر وہ تو بہت وقت پر سوتے بھی نہیں۔ یہ سن کر سب چپ ہو گئے کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ آخر سب مہمان ایک ایک کر کے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

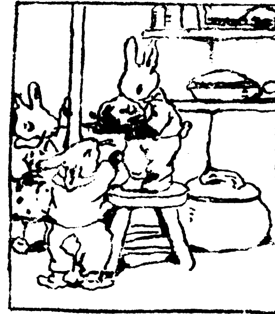
سوچتے سوچتے ایک ترکیب بی خرگوشنی کی سمجھ میں آ ہی گئی۔ انھوں نے اپنے جی میں کہا آج ذرا میں کہیں چھپ رہوں۔ گویا کہیں ادھر اُدھر کھو گئی ہوں۔ پھر دیکھوں یہ کیا کرتے ہیں۔

شام کے وقت رگل، ہگل اور ٹگل گھر نہیں آئے، تالاب کے پاس کیچڑ سے کھیل رہے تھے۔ اس لئے ہاتھ خوب سنے ہوئے

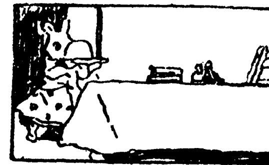


تھے۔ سب سے پہلے تو انھوں نے اپنی ماں کو تلاش کیا۔ اور جب اطمینان ہو گیا کہ وہ گھر میں نہیں تو بڑے خوش ہوئے۔ ہگل بولا، آہا اب تو مزا آگیا اب ہاتھ دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔ رگل اور ٹگل بھی اچھل اچھل کر کہنے لگے۔ اور آج تو سوئیں گے بھی نہیں، خوب

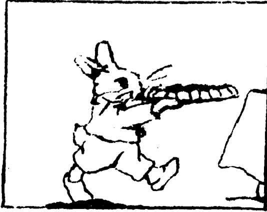
سیر تماشے کریں گے۔ رگل بولا اچھا آؤ پہلے کچھ
پیٹ میں تو ڈال لیں۔ یہ سن کر سب کے سب
دوڑے ہوئے باورچی خانے میں گئے، اور
نعمت خانہ کھولا۔ بھئی واہ یہ تو بڑی مزے دار
چیزیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اماں نے کسی کی دعوت
کی تھی۔ پہلے انھوں نے ڈبل روٹی اٹھائی۔



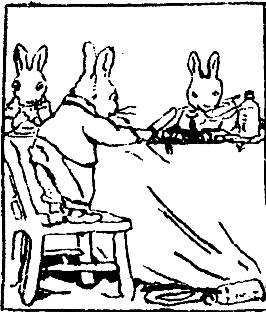
رگل نے کہا۔ یہ پہلے کھائیں گے۔ اور اُسے
میز پر رکھ دیا۔ میٹھے ٹکڑوں[۱] کی پلیٹ اُٹھائی



مگل نے کہا یہ بعد میں کھائیں گے، اِسے
بھی میز پر رکھ دیا گیا۔ پھر کرونده کے اچار
کی بھری ہوئی پلیٹ نکالی گئی۔ مگل نے کہا



اسے بھی بعد میں کھائیں گے۔ غرض کھانے کی
تمام چیزیں مختلف میوے، سوڈے کی بوتلیں
وغیرہ میز پر رکھ دی گئیں۔ اور پھر تینوں بھائی
آستینیں چڑھا چڑھا کر کھانے پر پل پڑے۔



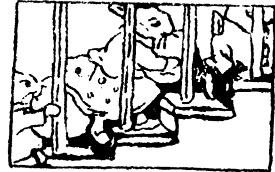
آہا کیا مزے دار دعوت ہے۔ تینوں نے مل
کر خوب کھایا۔ ساری پلیٹیں صاف کر دیں۔
ایک نوالہ بھی باقی نہیں بچا۔ کھاپی کر چٹ ہو گئے

---

[۱] ڈبل روٹی کے ٹکڑے کاٹ کر انھیں گھی میں تلتے ہیں۔ پھر دودھ میں، ہلکی آنچ میں پکاتے ہیں۔ یہی میٹھے بادشاہی ٹکڑے کہلاتے ہیں۔ بڑے مزے کے ہوتے ہیں۔

تو پھر سیر سپاٹے کی سوجھی، ہاتھ دھونے اور منہ صاف کرنے کا تو خیال ہی کیوں آنے لگا تھا۔

مگل نے کہا۔ اب کیا کیا جائے ٹگل بولا واہ بھئی ابھی تو بہت کچھ کرنا ہی۔ چلو اماں کے خوب صورت کپڑے پہنیں اور گھومنے چلیں۔ تینوں کے تینوں سیڑھیوں پر چڑھ گئے اور بی خرگوشنی کا۔



بکس کھول ان ہی سنے ہوئے ہاتھوں سے۔ اپنی اماں کے اچھے اچھے کپڑے نکالنے لگے اور جیسے جو ملا وہ پہن لیا۔ مگل نے ایک لمبا سا کالا پاجامہ اور سفید کرتا پہنا اور ایک دھاری دار ٹوپی سر پہ رکھی۔ ٹگل نے ایک دھاری دار پائجامہ اور خوب صورت سا کرتا پہنا۔ اور ایک لمبی کالی ٹوپی سر پر اوڑھی۔ رگل نے ایک لمبا سا لبادہ اوڑھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت ٹوپی۔ جب کپڑے پہن کر لیس ہو گئے۔ تو مٹکتے ہوئے پنجوں کے بل سیڑھیوں سے



نیچے اترے اور گھر سے باہر نکل آئے، ابھی تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ سامنے سے بی لومڑی اسی طرف آتی نظر پڑیں۔ وہ بھی کھانا کھا کر ٹہلنے نکلی تھیں۔ تم جانو آزادی کا زمانہ ہی اپنے میاں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بڑے اٹھیال سے گھوم رہی تھیں۔



بی خرگوشنی اپنے بچوں سے ہمیشہ کہتی رہتی تھیں کہ اگر کہیں وہ لومڑی کے ہاتھ آ گئے تو

وہ انھیں فوراً نوالہ بنائے گی۔ اس لئے ان کی نظر لومڑی پر پڑی تو بس ہوش ہی تو اڑ گئے اور لگے چیں چیں کرنے اور ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کرنے۔ مگر ایک تو کھا بہت گئے تھے۔ دوسرے اپنی ماں کے بھاری بھاری کپڑے پہنے تھے۔ تیسرے بی لومڑی کی ہیبت بے چاروں کے پیر بوجھل ہو گئے تھے۔ انھوں نے کچھ ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی۔ مگر مگل تو پاجامے میں الجھ کر گر گیا۔ رگل کی ٹوپی دور جا گری، وہ بھی گر گیا۔ یہی حشر ٹگل کا ہوا۔



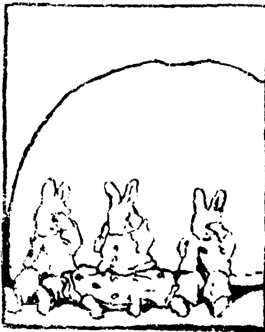
بی لومڑی کو جو بے سان گمان ایسا اچھا شکار نظر آیا تو بہت خوش ہوئیں۔ اپنے میاں کے ساتھ دوڑ کر آئیں اور ان تینوں کو پکڑ لیا گھر پہنچ کر بی لومڑی نے انھیں حفاظت سے نعمت خانے میں بند کر دیا۔ اور بی خرگوشنی کے بہترین کپڑے توشہ خانے میں رکھ دئے



گئے۔

اس وقت بچوں کی بری حالت تھی۔ بے چاروں کو موت سامنے نظر آ رہی تھی۔

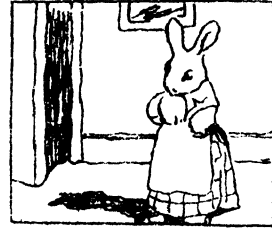
مگل نے رو کر کہا۔ کیوں بھیا رگل اگر ہم ہاتھ دھو لیا کرتے اور پاک صاف رہتے تو کیوں ہم پر مصیبت آتی۔



رگل:۔ اور بھائی اگر وقت پر اماں کے حکم پر سو جایا کرتے تو کیوں اس مصیبت میں پھنستے

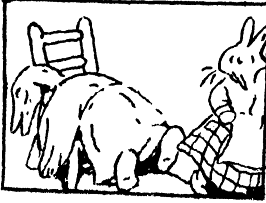
گل اور اگر اسکول چلے جایا کرتے تو کیوں ہم پر یہ مصیبت آتی ۔

بی خرگوشنی اب تک چھپی ہوئی تھیں انھیں جو خبر ہوئی کہ لومڑی نے ان کے بچوں کو پکڑ لیا ہے تو پریشان تو ضرور ہوئیں ۔ مگر تھیں سمجھ دار



اپنے جی میں کہنے لگیں ۔ ہوش و حواس کھونے سے کیا فائدہ ۔ خاموشی سے بچوں کو لومڑی کے پنجے سے چھڑانے کی کوشش کیوں نہ کی جائے ۔ پہلے میں بی بطخ کے پاس جاؤں شاید وہ میری کچھ مدد کریں ۔ وہ دوڑی دوڑی بی بطخ کے پاس گئیں ۔ انھوں نے جو یہ خبر سنی تو بس ان کی پوری چونچ کھلی کی کھلی رہ گئی منہ سے بے اختیار قیں سے نکلا اور بیہوش ہو گئیں ۔

بی خرگوشنی نے انھیں تو یوں ہی بیہوشی کی حالت میں چھوڑا اور دوڑی دوڑی



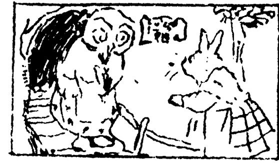
بی مرغی خانم کے پاس گئیں ۔ انھوں نے جو یہ قصہ سنا تو بس پر پھڑ پھڑانے لگیں اور بڑی ڈراونی آواز میں "مدد" "مدد" کہتی ہوئی



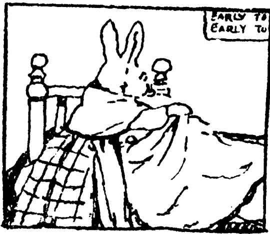
زور سے بھاگیں ۔ بی خرگوشنی نے کہا ان سے بھی کام نہ چلے گا ۔ وہ انھیں اسی طرح بدحواس چھوڑ کر بھاگتی ہوئی ۔ میاں الو کے پاس گئیں کیوں کہ یہ اپنی عقل مندی اور سوجھ بوجھ میں دور دور تک مشہور تھے ۔ یہ اس وقت آنکھیں بند کیے ہوئے اللہ کی یاد میں مشغول تھے ۔

بی خرگوشنی نے کہا۔ شیخ صاحب لومڑی نے میرے تمام بچوں کو پکڑ کر نعمت خانے میں بند کر دیا ہے اب مجھے بتاؤ میں کس طرح انھیں اس کے پنجے سے چھڑاؤں "۔

شیخ جی ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اور بڑی



دیر تک سوچتے رہے آخر ایک ذرا کے ذرا آنکھیں جھپکائیں اور بولے " تم اسے ڈرا دو " بے چاری خرگوشنی نے پوچھا " بھلا میں اسے کیسے ڈراؤں "۔ یہ سن کر انھوں نے پھر آنکھیں جھپکائیں۔ اور کہنے لگے۔ " ذرا اندھیرا ہو جانے دو پھر تمھاری سمجھ میں خود آجائے گا "۔ انھوں نے بس اتنا کہا اور چپ ہو گئے۔ اب بھلا تم ہی بتاؤ بے چاری خرگوشنی اس سے کیا مطلب سمجھ سکتی تھی، آخر یہاں سے بھی نا امید ہو کر وہ آگے کو ہولی۔ اس وقت وہ بہت جلدی میں تھی۔ اور سمجھ رہی تھی کہ اگر ذرا بھی دیر ہو گئی تو یہ چڑیل لومڑی میرے بچوں کو ختم ہی کر دے گی۔ اس لئے وہ بہت تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی اور سوچتی بھی جاتی تھی کہ کیا کرنا چاہیے آخر چلتے چلتے وہ ایکا ایکی اچھل پڑی، اور بڑی زور سے چلائی " سمجھ میں آگیا "۔ یہ کہہ کر اس نے ایک فراٹا بھرا اور ہوا سے باتیں کرتی ہوئی گھر پہنچی۔ گھر پہنچ کر انتظار کرنے لگی کہ ذرا اندھیرا ہو جائے۔ جب کچھ اندھیرا ہو گیا تو اپنے بچھونے کی بڑی سی چادر لی اور جنگل میں

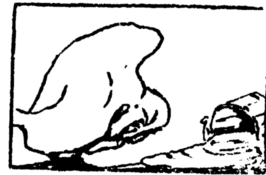


جا کر لومڑی کے گھر کے پاس ایک گھنے درخت کے پیچھے چھپ گئی۔ تھوڑی دیر میں بی لومڑی کنوئیں سے پانی بھرنے نکلیں اور دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ بی خرگوشنی نے یہ موقع غنیمت جانا

جلدی سے گھر میں گئیں اور ایک الماری میں



گھس کر بیٹھ رہیں ۔ چادر اپنے سر پر ڈال لی اور جوں ہی بی لومڑی پانی کا ڈول بھر کر گھر میں آئیں ۔ بی خرگوشنی جھپاکے سے الماری میں سے کود لومڑی کے سامنے آگئیں ، ایکا ایکی ایسی ڈراؤنی چیز دیکھ کر بی لومڑی پر ایسی دہشت سوار ہوئی کہ پانی کا بھرا بھرایا ڈول ہاتھ سے چھوٹ



گیا اور بڑی زور سے چیختی ہوئی جنگل کی طرف بھاگیں ۔

بی لومڑی کے میاں اس وقت باورچی خانے میں چلم بھر رہے تھے انھوں نے جو یہ آواز سنی تو باہر نکل کے آئے کہ دیکھیں کیا ماجرا ہے ۔ ان کی نظر بھی اس سفید سفید سی چیز پر پڑی اور وہ بھی چیختے ہوئے جنگل کی طرف بھاگے



دونوں بڑی دور تک بھاگتے ہوئے چلے گئے اور ایک جھاڑی میں جاکر چھپ رہے ، اتنے سہمے ہوئے تھے کہ جھاڑی میں سے سر نکالنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ۔

ادھر بی خرگوشنی نے بہت نرم آواز سے اپنے بچوں کو پکارا " رگل ، مگل ٹگل ۔ اب تو تم شرارت نہیں کروگے اور اچھے اور نیک بچوں کی طرح رہوگے "؟ یہ کہہ کر وہ نعمت خانے کے پاس گئیں ، تینوں کو باہر نکالا وہ سب کے سب چادر کے اندر آگئے

اور بی خرگوشنی انھیں چادر کی اوٹ میں



دبے پاؤں چپکے چپکے گھر لے گئیں

یہ تو سچ ہے کہ اس وقت ان بچوں کی جان پر بن گئی تھی مگر نصیحت بھی انھیں ایسی ملی کہ بالکل سیدھے ہوگئے اور پھر کبھی شرارت نہیں کی۔ برابر اسکول جانے لگے وقت پر سوتے اور منہ اور ہاتھ صاف رکھتے۔



(ترجمہ)

معلومات

مسٹر فریڈ باور ایک امریکن کے دو کبوتروں کی اڑان سب سے زیادہ ہے یہ ۲۴ جولائی (۱۸۹۲ء) کو چھوڑے گئے۔ اور ۱۵ دن کے بعد واپس آئے۔ اس عرصے میں انھوں نے ۱۱۸۲ میل کا سفر طے کیا

دنیا میں اس وقت تقریباً ۱۸۴۹۵۰۰۰۰۰ انسان آباد ہیں۔ اس کے مقابلے میں چوہوں کی تعداد ۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰ ہے۔

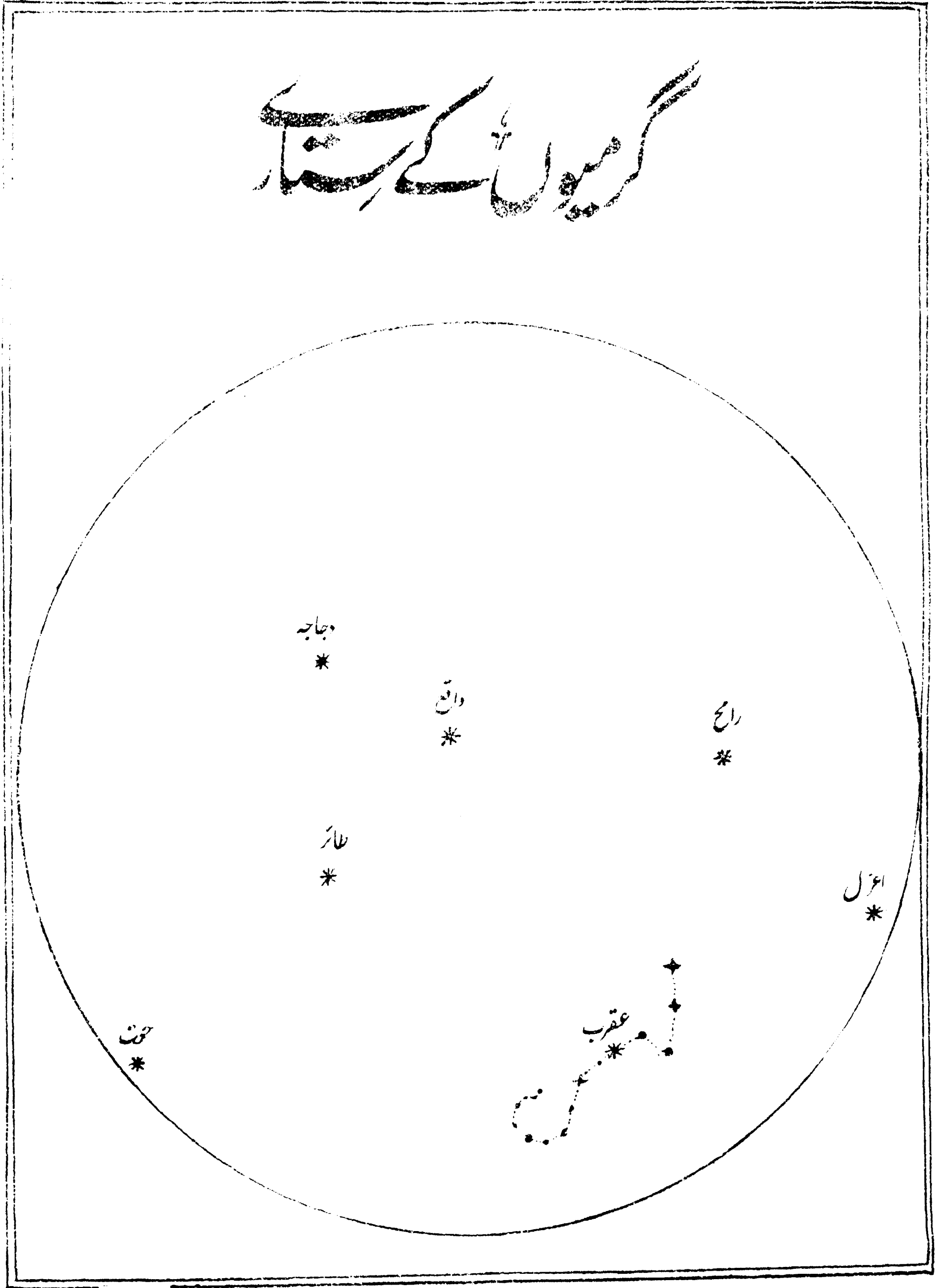
گرمیوں کے ستارے

(از محمود علی خاں صاحب جامعی)

آیئے آج آپ کو آسمان کے اچھے اچھے ستاروں کی پہچان بتائیں۔ ستاروں کے نام عام طور پر عربی ہی میں ہیں اس لئے اگر ہم وہی نام لکھیں تو آپ کو پڑھنے اور یاد رکھنے میں دقت ہوگی اور اگر ہم ان کا اردو میں ترجمہ کردیں تو یہ مشکل پڑے گی کہ جب بڑے ہو کر عربی نام آپ کے سامنے آئیں گے تو آپ کے سمجھنے میں بڑی گڑبڑ ہوجائے گی اس لئے ہم نے عربی کے بڑے بڑے اور مشکل ناموں کو چھوٹا کر دیا ہے مثلاً ذنب الدجاجہ کو ہم صرف دجاجہ لکھیں گے۔

بعض ستارے اور ستاروں کی بہ نسبت ہم سے قریب ہیں۔ اس لئے زیادہ روشن نظر آتے ہیں۔ اور بعض بہت بڑے ہیں اس لئے زیادہ چمک دار دکھائی دیتے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ بعض ستارے زیادہ چمک دار ہیں اور خوب جگمگاتے ہیں۔ بعض کم چمک دار ہیں اور صرف ٹمٹماتے ہیں۔ اور بعض تو بالکل دھندلے دکھائی دیتے ہیں، اس لئے پہچاننے والوں نے آسانی کے لیے ان کے درجے مقرر کر دیے ہیں یعنی درجہ اول، درجہ دوم وغیرہ۔ درجہ اول کے کل ۱۷ ستارے مانے گئے ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ سورج غروب ہوتے ہی آسمان کی طرف دیکھنا شروع کیجئے۔ جو ستارے سب سے پہلے آسمان پر دکھائی دیں وہی درجہ اول کے ستارے ہیں ان سترہ ستاروں میں سے گرمیوں میں سات (۷) اور جاڑوں میں دس (۱۰) دکھائی دیتے ہیں۔

ستارے دیکھنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ پیام تعلیم کا یہ نقشہ لے کر آپ کسی اونچی جگہ یا چھت پر کم از کم کھلے ہوئے صحن میں۔ آرام کرسی


گرمیوں کے ستارے
دجاجہ
واقع
رامح
طائر
اعزل
عقرب
حوت

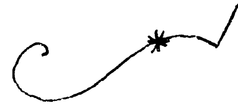
پلنگ یا زمین پر لیٹ جائیے اور اس نقشے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں کے سامنے اوپر کو پکڑ لیجئے اس طرح کہ نقشہ کا رخ آپ کی طرف کو رہے اور آپ اس کو دیکھ سکیں اور پڑھ سکیں - پھر اس کا اطمینان کر لیجئے کہ شمال جنوب، مشرق، مغرب کی سمتیں ٹھیک ہیں یا نہیں - اس کے بعد ایک ایک ستارہ کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر کبھی اپنے نقشے کی طرف دیکھ کر ملاتے جائیے - اور پہچانتے جائیے -

قطب تارا تو آپ پہچان ہی چکے ہیں پھر ذرا آسمان پر اور اپنے نقشے میں دیکھ لیجئے پلنگ آج کل آپ کے دائیں ہاتھ کی طرف ہے اور بڑھی قطب ستارے کے نیچے جنوب کی طرف لٹک رہی ہے -

آج کل کے آسمان کے سب سے روشن ستارے کا نام "واقع" ہے - انگریزی میں اسی کو بگاڑ کر "ویگا" کہتے ہیں - آج کل یہ بیچوں بیچ آسمان پر ہے - ٹھیک اپنے سر پر دیکھئے کیسا چمک رہا ہے - ایک ستارہ بھی آج کل اس کے مقابلے کا نہیں ہے - اس کے مشرق کی طرف آپ کے بائیں ہاتھ کو دو چمکدار ستارے ہیں ایک اس سے اوپر ہے اور دوسرا نیچے اوپر والے کو دجاجہ کہتے ہیں اور نیچے والے کو طائر - ان دونوں کو خوب اچھی طرح پہچان لیجئے - تاکہ آئندہ بغیر کسی نقشے کی مدد کے ان کو دیکھ سکیں -

اب ذرا مشرق اور جنوب کے بیچوں بیچ میں دیکھئے - ایک چمکدار ستارہ ابھی طلوع ہو رہا ہے اسے حوت کہتے ہیں - چاند آسمان پر جس سڑک سے گذرتا ہوا معلوم دیتا ہے، اس پر ہم نے بارہ برج بتائے تھے - انھیں میں سے ایک برج حوت بھی ہے یہ ستارہ اسی برج میں ہے - اس برج کے اور ستارے زیادہ روشن نہیں ہیں اس لئے ان کا ذکر کرنا بے کار ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں آج کل صرف چھ برج ہمارے سامنے ہیں ان چھ برجوں میں سے سب سے روشن برج عقرب ہے عقرب کے معنی بچھو کے ہیں - آپ ذرا جنوبی آسمان

میں اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھئے تو ستاروں کی ایک بہت بڑی ایسی شکل بنی ہوگی۔



یہی بچھو ہے۔ اس کے بیچ کا ستارہ سب سے روشن ہے اس کو بھی عقرب ہی کہتے ہیں۔ اس کے ایک طرف گویا بچھو کا منہ ہے اور دوسری طرف ڈنک ہے۔

اب آپ مغرب کی طرف یعنی اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف دیکھئے ادھر بھی دو ستارے زیادہ روشن نظر آئیں گے۔ ان میں سے جو ستارہ شمال کی جانب ہے اور "واقع" کے قریب قریب برابر میں ہے اسے "رامح" کہتے ہیں۔ اور جو نیچے بالکل مغربی افق پر ہے اس کو "اعزل" کہتے ہیں۔

ایک بار پھر ان ستاروں کو نقشے کے بغیر دیکھ جائیے اور چند دن تک اسی طرح روزانہ دیکھتے رہیے تاکہ پہچان ہو جائے۔

آئندہ پرچے میں "جاڑوں کے ستاروں" کا ذکر ہوگا۔

لطیفہ

استاد :۔ رام دت تم دن بدن پھولتے جا رہے ہو یہ بات کیا ہے۔ کھاتے بہت ہو یا کیا۔

رام دت :۔ بات یہ ہے ماسٹر صاحب کہ میری ماں مجھے ٹھونس ٹھونس کے کھلاتی ہیں۔

استاد :۔ یہ کیوں؟ آخر تمھارے اور ساتھی تو ہیں۔ کیوں بھئی جوئی پرشاد تمھاری ماں بھی تو زندہ ہیں۔

رام دت :۔ ہاں ماسٹر صاحب ہوں گی کیوں نہیں۔ مگر شاید سوتیلی ہوں گی۔

پانی کا چکر

(از جناب جواد صاحب میرٹھی)

تم نے دیکھا ہو گا کہ جاڑوں کے مقابلے میں گرمیوں میں کپڑے جلد سوکھ جاتے ہیں۔ جاڑوں میں تالاب اور نالیاں خشک نہیں ہوتیں مگر گرمیوں میں بہت جلد سوکھ جاتی ہیں۔ کچھ سمجھے اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ٹھنڈی ہوا کے مقابلے میں گرم ہوا اپنے اندر زیادہ بھاپ رکھتی ہے

تجربہ (۱) اگر تم خود اس کا تجربہ کر کے دیکھو گے تو تمھیں اس بات کا اور بھی یقین ہو جائے گا اچھا اگر تم تجربہ کرنا چاہو تو ہم تمھیں بتائیں ایک فلاسک (شیشے کی صراحی) میں پانی ابالو یہاں تک کہ خوب بھاپ بننے لگے۔ ایک اور صراحی لو اُسے تھوڑا سا گرم کر لو۔ اور گرم پانی کی صراحی پر اوندھا کر دو۔ تاکہ جو بھاپ پہلی صراحی میں سے نکلے وہ دوسری میں اکٹھی ہو جائے

اب دوسری صراحی اٹھا لو۔ اس کا منہ بند کر دو تاکہ بھاپ نہ نکل سکے اور اسے آگ پر گرم کرو تم دیکھو گے کہ صراحی کی سطح اندر کی طرف بالکل صاف ہے اس کے بھی اوپر نہ کوئی دھندلاپن ہے اور نہ پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے جمع ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد صراحی آگ کے پاس سے ہٹا لو اور ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دو۔ جوں جوں صراحی ٹھنڈی ہوتی جائے گی اس کی سطح (اندر کی طرف سے) دھندلی پڑتی جائے گی اور اس میں پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے جمع ہوتے جائیں گے

کیا تم بتا سکتے ہو کہ جب صراحی گرم تھی تو اس میں پانی کے قطرے کیوں موجود نہ تھے۔ اور ٹھنڈا ہونے پر بھاپ کیوں جم گئی۔

اس کی وجہ وہی ہے جو ہم تمھیں بتا چکے ہیں۔ یعنی یہ کہ گرم ہوا اپنے اندر زیادہ

بھاپ رکھ سکتی ہے اور جوں جوں ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے۔ وہ بھاپ چھوڑتی جاتی ہے اور یہ زائد بھاپ شیشے کی صراحی پر جم جاتی ہے۔

تم اس بات کو خوب جان گئے ہوگے، کہ گرم ہوا ٹھنڈی ہوا کی نسبت زیادہ بھاپ رکھ سکتی ہے اب تمھیں ایک بات اور بتائیں۔ جب گرم ہوا اوپر اٹھتی ہے تو وہ پھیل کر ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور زیادہ بھاپ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اس لئے زائد بھاپ جم کر پانی کے چھوٹے چھوٹے قطروں میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بادلوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بادل ایک خاص اونچائی پر ہی بن سکتے ہیں۔ کیوں کہ اگر ہوا ٹھنڈی نہ ہوگی تو بادل نہ بنیں گے۔

پانی کے یہ چھوٹے چھوٹے قطرے آپس میں مل کر جب کافی بڑے اور وزنی ہو جاتے ہیں تو ہوا ان کا بوجھ نہیں سنبھال سکتی اور یہ زمین پر گر پڑتے ہیں اسی کو ہم مینہ یا بارش کہتے ہیں۔

برسات میں خوب پانی برستا ہے، سب تالاب۔ ندی نالے اور گڑھے بھر جاتے ہیں۔

کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس پانی کا کیا ہوتا ہے۔ اور کہاں چلا جاتا ہے۔

آؤ ہم تمھیں بتائیں یہ پانی کچھ زمین کے اندر سما جاتا ہے یا جذب ہو جاتا ہے اور وہاں جمع ہوتا رہتا ہے۔ کنوؤں میں جو پانی نکلتا ہے وہ اصل میں یہی پانی ہوتا ہے۔ جب یہ خود بخود پھوٹ نکلتا ہے تو اسے چشمہ کہتے ہیں۔ کچھ پانی سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر دوبارہ ہوا میں اڑ جاتا ہے یہ پھر بادل بن جاتا ہے۔ اور زمین پر برس پڑتا ہے۔

پانی کا ایک حصہ دریاؤں اور نہروں میں بہتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے۔ سمندر میں بھاپ اور بادل اٹھتے ہیں اور یہی پانی پھر ایک دفعہ زمین پر گر پڑتا ہے۔

اسی کو "پانی کا چکر" کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

جب بارش کا پانی زمین پر بہتا ہے تو وہ گدلا ہوتا ہے۔ اور اس میں مٹی ملی ہوتی ہے اصل میں پانی خاک دھول کو اپنے ساتھ بہالے جاتا

ہے۔ زور کی بارش کے بعد سڑکیں وغیرہ اکثر صاف ہوجاتی ہیں درختوں کے پتوں پر پڑی ہوئی دھول صاف ہوجاتی ہے اور یہ ہرے بھرے سرسبز نکل نکل آتے ہیں۔ کبھی زور کی بارش کے بعد کسی نالی کو دیکھو تمھیں اس کے کنارے پر باریک مٹی کی ایک تہ نظر آئے گی۔ یہ مٹی پانی اپنے ساتھ بہالاتا ہے اور اس کے ذرے نیچے بیٹھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ باریک مٹی کی ایک ہموار تہ کناروں پر جمع ہوجاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب بارش ہوتی ہے اور دریاؤں میں خوب پانی بھر جاتا ہے۔ تو طوفان آجاتا ہے اور دریا اپنے بھنڈار سے باہر ہوجاتا ہے۔ یہ وہی مٹی ہے جو پانی کے ساتھ بہہ آتی ہے۔

یہ مٹی بہت زرخیز ہوتی ہے اور اس میں جو فصل بوئی جاتی ہے وہ خوب اگتی ہے، اور اناج بھی زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

گرمیوں کی کڑی اور تیز دھوپ میں گھاس سوکھ جاتی ہے درخت خشک ہوجاتے ہیں جانور سست پڑجاتے ہیں مگر جب بارش ہوتی ہے تو گھاس اور ہریالی پھر سرسبز اور شاداب ہوجاتی ہے کھیت ہرے بھرے نظر آتے ہیں درختوں میں پھول پھل لگتے ہیں جانور خوش معلوم ہوتے ہیں اور نہاتے ہیں۔ غرض بارش کے بعد زندگی تروتازہ ہوجاتی ہے اور نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

لطیفہ

شریف آدمی :۔ ہفتہ کے چھ دنوں میں تم کیا کام کرتے ہو؟

سست لڑکا :۔ کچھ بھی نہیں۔

شریف آدمی :۔ اور اتوار کے دن۔

سست لڑکا :۔ جناب میں چھٹی مناتا ہوں۔

دِن کی کیفیت

(از حضرت بے نظیر شاہ صاحب وارثی مرحوم)

پچھلے پرچوں میں ہم حضرت بے نظیر شاہ صاحب کی کئی اچھی اچھی نظمیں شائع کر چکے ہیں آج ہم ان کی ایک اور بہت ہی اچھی نظم شائع کرتے ہیں شاہ صاحب لکھتے کیا ہیں بس سماں باندھ دیتے ہیں اس نظم میں انھوں نے صبح سے دوپہر تک کی حالت لکھی ہے اور کیسے اچھے اور دل پسند انداز میں، صبح صبح سورج کی گرمی سے اوس کے قطروں کا آہستہ آہستہ غائب ہونا مسجد و مندر کے کلسوں اور میناروں پر سنہری کرنوں کا پڑنا اور انھیں بھی سونے کا بنا دینا چڑیوں کا رات بھر اپنے گھونسلوں میں بسیرا لے کر صبح کو دانے دنکے کی تلاش میں اڑنا ۔ مرغابیوں اور قازوں کا نالابوں اور جھیلوں پر آکر گرنا دھوپ کا آہستہ آہستہ پھیلنا منڈیروں سے دروازے اور دروازہ سے زمین پر آنا ۔ چوپایوں کے چرنے کے لئے میدان میں جانا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن میں سے اکثر تمھاری نظروں کے سامنے گذرتی رہتی ہیں مگر شاہ صاحب کی نظم نے ان میں ایک عجیب لطف پیدا کر دیا ہے ذرا تم صبح ہی صبح اس نظم کو پڑھو اور اپنے چاروں طرف نظر دوڑاؤ دیکھو تمھیں کیا مزا آتا ہے ۔ (ایڈیٹر)

تری اوس کی دھوپ کھونے لگی ۔۔۔ ہوا بھی ذرا گرم ہونے لگی
پرندے زمیں پر اُترنے لگے ۔۔۔ ہرن کھل کے جنگل میں چرنے لگے
اُڑے کھول کر قاز سرخاب پر ۔۔۔ گرے مرغ آبی[۵۱] وہ تالاب پر
وہ کھیتوں میں چڑیاں بھی آنے لگیں ۔۔۔ وہ چن چن کے دانے اٹھانے لگیں
بلندی پہ کچھ دھوپ آنے لگی ۔۔۔ وہ کلسوں پہ سونا چڑھانے لگی
منڈیروں پہ کچھ کچھ جھلکنے لگی ۔۔۔ اتر کر وہ در[۵۲] پر چمکنے لگی
قریب آتی جاتی ہے اب دوپہر ۔۔۔ پگھلنے لگی برف کہسار[۵۳] پر

[۵۱] مرغ آبی یعنی پانی کے مرغ۔ قاز، سرخاب، مرغابی وغیرہ [۵۲] دروازہ [۵۳] پہاڑ

صدا[۵۱] پتوں سے نکلنے لگی	ہوا بھی ذرا تیز چلنے لگی
قریب آگئی وہ درختوں کی چھاؤں	ہوئے خوب قابو میں اب ہاتھ پاؤں
چرائی سے پھرنے لگے جانور	وہ پانی پہ گرنے لگے جانور
وہ ہر لہر بجلی دکھانے لگی	نظر پانی پر تلملانے لگی
درختوں پہ بیٹھے ہیں کچھ دور دور	وہ اُڑتے ہیں تالوں پہ بھی کچھ طیور[۵۲]
ہرن اور چیتل نکلنے لگے	وہ پی پی کے پانی اچھلنے لگے
ہوئے آبِ شیریں[۵۳] سے جو بہرہ ور[۵۴]	تو کیا کیا کلیلوں پہ ہیں جانور
جو سڑکوں پہ مزدور تھے جابجا[۵۵]	وہ تکتے رہے سایہ اشجار[۵۶] کا
بجے بارہ سب کو خبر ہوگئی	کہ فرصت ملی دوپہر ہوگئی

۵۱۔ صدا۔ آواز

۵۲۔ طیور۔ طیر کی جمع پرندہ۔

۵۳۔ آبِ شیریں۔ آب۔ پانی۔ شیریں۔ میٹھا۔ یعنی میٹھا پانی۔

۵۴۔ بہرہ ور۔ نصیب والا۔ حصہ دار۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ جانوروں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اور مست ہو کر کلیلیں کرنے لگے۔

۵۵۔ جابجا۔ جگہ جگہ

۵۶۔ اشجار۔ جمع شجر۔ درخت

تندرستی کی حفاظت

(از پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی - ایم اے - ایڈیٹر سہیل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

دو چیزیں ایسی ہیں جن سے کسی کو تمام عمر مفر[۵۱] نہیں، اور وہ مرض اور معلم[۵۲] ہیں۔ کوئی کتنا ہی لکھ پڑھ کیوں نہ جائے تمام عمر اس کو کچھ نہ کچھ سیکھنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اور کوئی کتنا ہی تندرست کیوں نہ ہو کبھی نہ کبھی اس کو مرض یا تکلیف سے سابقہ پڑے ہی گا۔ معلم اچھی اچھی اور نئی نئی باتیں بتاتا ہے۔ حکیم ڈاکٹر تم کو تکلیف اور مرض سے بچاتا ہے۔ پڑھنے لکھنے میں تم کو کبھی کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو تم ماسٹر کے پاس جاکر اپنی مشکل حل کرا لیتے ہو۔ جب تم کو کوئی تکلیف یا بیماری ہو جاتی ہے تو حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہو۔ پیام تعلیم کے کسی پچھلے پرچے میں تم پڑھ چکے ہو کہ احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ آج اسی سلسلے میں مجھ کو تم سے کچھ کہنا ہے۔ اگر احتیاط کی جائے تو بیماری پاس نہیں پھٹکتی۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احتیاط کے باوجود بیماری میں مبتلا ہو جانا پڑتا ہے۔

تم کو معلوم ہے۔ گرمی اور برسات کے موسم میں ہم کو طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں کا سامنا رہتا ہے۔ کسی کو لو لگ جاتی ہے تو کسی کو جاڑا بخار، قے، دست آنے لگتے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سی بیماریاں اور تکلیفیں ہیں جن کی وجہ سے بہت سے لوگ بڑی تکلیفیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ کچھ اچھے ہو جاتے ہیں۔ بہت سے مر جاتے ہیں کچھ کمزور ہو جاتے ہیں اور اسی وجہ سے کام کرنے اور آرام اٹھانے کے لائق نہیں رہتے

اس پچھلے مضمون میں تمھیں یہ بھی بتایا گیا تھا اور تم لوگ خوب سمجھ بھی گئے تھے کہ بیمار ہو کر علاج کرنے اور دوبارہ اچھے ہونے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم کھانے پینے چلنے پھرنے، سونے بیٹھنے، میں احتیاط برتیں

[۵۱]۔ فرار کی جگہ۔ بھاگنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ پناہ [۵۲] استاد۔ ماسٹر۔

اور اس طور پر بیماری اور تکلیف سے بچتے رہیں۔

اب میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ بیماری سے بچنے کے لئے تم کو کیا احتیاط برتنی چاہیئے۔ اور اگر خدا نخواستہ بیماری میں مبتلا ہو جاؤ تو کیا کرنا چاہیئے۔ گرم اور جھلسا دینے والی ہوا لگنے سے بعض وقعہ بڑی شدت کا بخار آجاتا ہے اس کو لو لگنا کہتے ہیں۔ اس سے انسان تو درکنار درخت اور جانور بھی زندگی کھو بیٹھتے ہیں۔ اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اول تو باہر نکلنے سے بچو۔ لیکن اگر مجبوراً باہر نکلنا ہی پڑے تو کان اور گردن کو کپڑے سے خوب لپیٹ کر بہت سارا پانی پی لو۔ پھر لو نہ لگے گی۔ اگر لو لگ جائے تو کچے آموں کو بھوبل میں دبا کر ملائم کر لو اور پھر پانی میں خوب مل چھان کر پی لو۔ کبھی کبھی اس کو یوں بھی میٹھا ڈال کر پیتے ہیں۔ یہ بہت مزے دار اور مفید ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں خاص کر جب باہر نکلنا پڑے تو کبھی اپنی گردن اور کان کو کھلا نہ رکھو۔ ہمیشہ سفید کپڑے پہنو اور خوب پانی پی رکھو۔ پھر تو بالکل لو نہ لگے گی یا اس کا بہت کم اثر ہوگا۔

گرمی اور برسات میں تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ مچھر اور مکھی کی بہتات ہو جاتی ہے۔ انھیں مہینوں میں تم کو معلوم ہے کہ بخار اور ہیضہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں نے بہت کچھ روپیہ خرچ کر کے بڑی محنت اور جان جوکھوں کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بیماریاں۔ مچھر اور مکھی سے پھیلتی ہیں۔ مچھر کے کاٹنے سے ایک قسم کا زہر پھیل جاتا ہے۔ اس زہر کو ملیریا کا زہر اور اس بخار کو عام طور پر ملیریا بخار کہتے ہیں۔ اس بخار سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ مچھر کو پیدا ہونے مت دو۔ اور ایسی کوشش کرو کہ یہ مچھر تم کو کاٹ بھی نہ سکے۔ مچھر عام طور پر گندے۔ ٹھیرے ہوئے پانی۔ نالی، نابدان یا چہ بچہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کو یا تو خشک کر دینا چاہیئے یا ان پر مٹی کا تیل چھڑک دینا چاہیئے۔ پھر مچھر پیدا نہیں ہوں گے۔ لیکن اگر ملیریا کا بخار آجائے تو پھر کونین کا استعمال کرنا چاہیئے۔ کونین ایک قسم کی انگریزی کڑوی دوا ہے۔ اور عام طور پر تھوڑے داموں میں مل جاتی ہے۔ یہ ملیریا کے

کیڑوں کو مار ڈالتی ہے۔ کبھی کبھی یوں بھی کھاتے رہو تو ملیریا کا اثر تمھارے جسم میں نہ ہوگا۔

اتنا تو تمھیں معلوم ہے کہ مکھیاں گلی سڑی غلیظ چیزوں کو کھاتی ہیں۔ اس پر بیٹھتی ہیں۔ اور اس پر انڈے بچے دیتی ہیں۔ تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ یہ ہر جگہ اور ہر چیز پر اڑتی بیٹھتی رہتی ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہو اگر تمھاری انگلی میں روشنائی لگی ہو تو پھر جس چیز کو ہاتھ لگاؤ گے اس میں روشنائی کے دھبے پڑ جائیں گے اسی طور پر گندی زہریلی چیز پر مکھی بیٹھ کر اپنے پاؤں اور پروں کو گندا کرلیتی ہے اس کے بعد تمھارے کھانے پینے کی چیز میں ملا دیتی ہے۔ ہیضہ کی بیماری اسی زہریلی چیز سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر تمھارے کھانے پینے کی چیز پر مکھیاں نہ بیٹھی ہوں تو پھر ہیضہ کی بیماری ہونا تقریباً ناممکن ہے۔



اس لئے تم کو چاہیئے کہ ہیضہ سے بچنے کے لئے پہلے مکھیوں سے بچو۔ ہیضہ کے دنوں میں پانی کو خوب جوش دے کر ٹھنڈا کر لو اور اس کو وقت سے پینے کے لئے حفاظت سے رکھ دو تاکہ مکھیاں اس پر بیٹھ نہ سکیں۔ بازار کی مٹھائیاں اور پکی ہوئی چیزیں مت کھاؤ۔ ترکاری اور پھل کو خوب دھو کر استعمال کرو۔ کبھی کبھی کنوئیں میں انگریزی لال دوا ڈلوا دیا کرو۔ اس دوا کا نام :- پرمنگنٹ آف پٹاس ہے۔ یہ دوا نہ ملے تو کنوئیں میں بن بجھا چونا ڈلوا کر سارا پانی نکلوا دو۔ ان ترکیبوں

سے کنوئیں کے کیڑے مکوڑے مرجاتے ہیں۔ کبھی کبھی کھانے میں لیموں پیاز اور سرکہ بھی استعمال کرو، ہیضہ کے زمانے میں ہلکی غذا، ہلکی ورزش، کھلی ہوئی ہوا میں گھومنا پھرنا۔ سویرے سونا اور سویرے اٹھنا، بہت مفید ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص ہیضہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کی قے اور پاخانے کو کھلا ہوا مت چھوڑو۔ ورنہ مکھیاں اس پر بیٹھ کر سارے مکان اور ساری بستی میں اس کا اثر پھیلا دیں گی، یا تو ان چیزوں کو جلا دینا چاہیئے یا زمین میں بستی کے باہر دفن کرا دینا چاہیئے۔ ہیضہ کے مریض کو محفوظ اور ہوادار جگہ میں رکھنا چاہیئے اور جلد سے جلد کسی ہوشیار حکیم یا ڈاکٹر کو دکھلانا چاہیئے۔ اس بارے میں تم جتنی جلدی کروگے اتنا ہی مریض کو فائدہ پہنچے گا۔ ٹونے، ٹوٹکے، رت جگے یا گانے بجانے سے کہیں بیماری دور نہیں ہوتی۔ بلکہ اور ترقی کرتی ہے۔ ہیضہ یا بیماری یا کسی آفت اور مصیبت سے ڈرنا بزدلوں کا کام ہے۔ احتیاط کرنا اور خدا پر بھروسہ رکھنا عقل مندوں اور اچھے لوگوں کا شیوہ ہو۔

لطیفے

ایک لالہ جی صبح ہی صبح کنوئیں پر اشنان کرنے گئے اور اپنی دھوتی کنوئیں کی من پر رکھ دی ہوا جو زور کی چلی تو دھوتی کنوئیں کے اندر ۔ یہ دیکھ کر لالہ جی مارے خوشی کے چلا اُٹھے ہا، ہا میں بچ گیا۔ میں بچ گیا۔ اگر میں یہ دھوتی پہنے ہوتا تو میں بھی کنوئیں کے اندر ہوتا۔

حساب کا استاد :۔ مکر جی درجہ میں سب سے کم زور لڑکا بھی پاس ہو جائے گا۔ مگر تم پاس نہیں ہو سکتے۔

مکر جی :۔ مگر ماسٹر صاحب۔ سب سے کم زور لڑکا تو میں ہی ہوں۔

امتحان

(از جناب عثمان الرحمٰن صاحب نوشہ ۔ میرٹھی)

لغت میں امتحان کے معنی جانچنے یا آزمانے کے ہیں ۔ ویسے محاورے میں بھی یہ لفظ ان ہی معنوں میں آتا ہے ۔ جب آپ مدرسے میں داخل ہوتے ہیں تو پڑھانے لکھانے کے ساتھ ساتھ آپ کا امتحان بھی لیا جاتا ہے ۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو کچھ آپ کو پڑھایا گیا ہے ۔ وہ آپ کو یاد بھی ہے یا سب بھول بھال گئے ۔ اور یہ کہ آپ کچھ سمجھے بھی ہیں یا فقط رٹنے سے کام رہا ۔ اگر آپ کامیاب ہوگئے تو بس آپ ہی سرخرو نہیں ہوتے ، استاد کا بھی سر اونچا ہوتا ہے ۔ اور اگر خدانخواستہ فیل ہوگئے تو آپ ہی کی ہیٹی نہیں ہوتی ۔ استاد پر بھی حرف آتا ہے ۔ یعنی یہ صرف آپ ہی کی قابلیت کا امتحان نہیں ہوتا ۔ آپ کے استاد بھی اس لپیٹ میں آجاتے ہیں ۔ اس اعتبار سے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ امتحان بہت اچھی اور فائدے کی چیز ہے ۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ سمجھا تھا وہ صحیح تھا یا غلط اور یہ کہ ہم نے جو محنت کی تھی وہ ٹھیک راستے پر تھی یا غلط ۔ پھر یہ کہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ہم میں ترقی کا ولولہ پیدا ہوتا ہے ۔ اور نئے جوش اور ہمت کے ساتھ ہم آگے بڑھتے ہیں ۔

لیکن جناب آج کل جو امتحان کا طریقہ ہے تو آپ چاہے کچھ ہی کیوں نہ کہیں ہمیں تو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتا ۔ بلکہ شروع سے آخر تک بالکل بے کار اور نقصان پہنچانے والا معلوم ہوتا ہے ۔ یہ تو میں آپ کو کیا بتاؤں کہ ایسا کیوں ہے! اس معمے کو تو ہمارے بڑے حل کر سکتے ہیں ، میری جو سمجھ میں آتا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ آج کل امتحانوں کا جو طریقہ ہے ۔ اس سے امتحان کا اصلی مقصد حاصل نہیں ہوتا ۔ ہمارا امتحان اس لئے

نہیں ہوتا کہ ہماری پڑھائی لکھائی کی جانچ ہو بلکہ ہم پڑھتے اس لئے ہیں کہ امتحان دین اس مثال سے شاید آپ کو الجھن پیدا ہو رہی ہو اچھا آیئے ہم آپ کو اچھی طرح سمجھائیں۔ دیکھئے آج کل ہمارا پڑھنا لکھنا اپنے شوق سے نہیں ہوتا بلکہ ہم محض اس لئے پڑھتے ہیں کہ ہمیں امتحان کے بھیانک راستے سے گذرنا ہے۔ ہم سال کے نو مہینے خوب کھیلتے کودتے اور مزے کرتے ہیں۔ کتابوں سے ہمیں کچھ ایسا سروکار نہیں رہتا، مگر جوں ہی امتحان کے دن قریب آئے اور ہم نے اپنی کتابیں سنبھالیں۔ اب ہمیں اپنی تندرستی کا خیال ہے نہ آنکھوں کا۔ رات دن لگاتار محنت کر رہے ہیں کیوں کہ ہمیں امتحان کے پل صراط سے گذرنا ہے۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ کہیں ذرا بھی قدم ڈگمگائے تو سیدھے جہنم میں۔!

اگر سہ ماہی اور ششماہی امتحان میں فیل بھی ہو گئے تو ہمیں کچھ ایسی پرواہ نہیں ہوتی کیوں کہ اوپر کے درجے میں ترقی پانے کا دارمدار تو سالانہ امتحان پر ہے اور اسی لئے سالانہ امتحان کا زمانہ قریب آنے پر ہم دلوانوں کی طرح محنت کرنے لگتے ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچئے سال بھر کے بھولے ہوئے سبق آپ اتنے سے دنوں میں کیسے یاد کر سکتے ہیں۔ وہ تو یہ کہئے کہ آپ اس زمانہ میں رٹائی خوب کرتے ہیں۔ اسی کی بدولت آپ کو تھوڑا بہت یاد رہ جاتا ہے۔ اور امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ بھی تو سوچئے کہ سالانہ امتحان پر ترقی کا دارمدار رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ بات تو ہماری چھوٹی سی عقل میں بھی نہیں آتی۔ کیوں کہ اول تو ہم میں سے اکثر پڑھنے لکھنے سے کورے ہوتے ہی ہیں۔ لیکن جو کچھ ہوشیار بھی ہوتے ہیں تو انھیں امتحان ختم کر دیتا ہے۔ فیل ہو جانے پر ان کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ اور آگے ترقی کرنے کا کوئی ولولہ باقی نہیں رہتا۔ علاوہ اس کے فرض کیجئے کوئی ذہین اور محنتی طالب علم جو سال بھر تک پوری محنت سے پڑھتا رہا ہے۔ سالانہ امتحان سے کچھ ہی دنوں پہلے بیمار ہو گیا۔ یا کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا

کہ امتحان نہیں دے سکا تو اس بے چارے کی
محنت اور لیاقت کا کوئی خیال نہیں کیا جائے گا۔
اس کی ترقی روک دی جائے گی۔ یا زیادہ سے
زیادہ اس کے ساتھ جو رعایت کی جائے گی وہ یہ
ہوگی کہ اس کا امتحان دوبارہ لیا جائے گا۔ حالانکہ
استاد لڑکے کی ذہانت محنت اور لیاقت کو اچھی
طرح جانتے ہیں۔ مگر محض اس لئے کہ وہ کسی وجہ
سے امتحان نہیں دے سکا ہے۔ اسے اگلے درجے
میں ترقی نہیں دی جاسکتی، اگرچہ اس سے کم
قابلیت کے یا بالکل نالائق لڑکے کسی طرح امتحان
میں پاس ہو جانے کی وجہ سے اوپر کے درجے
میں پہنچ جاتے ہیں یہ ناانصافی اور ظلم نہیں
تو کیا ہے۔

آئیے ایک بات آپ کو اور بتائیں جس
سے امتحان کی قلعی آپ پر اچھی طرح کھل جائے
آپ امتحان تو اپنے اسکول میں دیتے رہتے ہوں
گے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ امتحان کے وقت
دو ایک ماسٹر یا استاد آپ کی دیکھ بھال یا
نگرانی کرتے ہیں۔ وہ ہر وقت آپ پر نگاہ رکھتے
ہیں۔ کہ کوئی مشکل سوال آپ کسی کو بتا نہ دیں یا
کسی سے پوچھ نہ لیں۔ لیکن سچ بتائیے اس کڑی
دیکھ بھال یا نگرانی کا کچھ بھی فائدہ ہوتا ہے سوالوں
کے حل بتائے جاتے ہیں اور کاپیوں کی نقل بھی
خوب ہوتی ہے اور ماسٹر صاحب کو پتہ بھی نہیں
چلتا۔ پھر بھلا آپ ہی سوچئے ایسے امتحان سے
کیا فائدہ؟۔

یہ تو ہم آپ سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ خود امتحان
کوئی بری چیز نہیں اور شاید آپ کو بھی اس سے اتفاق
ہوگا۔ مگر امتحان کی جو یہ صورت ہمارے مدرسوں
میں رواج پا گئی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے اسے
بالکل اڑا دینا چاہئے۔ آپ شاید یہ سوال کریں
کہ طالب علم کی قابلیت جانچنے کا پھر کون سا طریقہ
ہوگا۔ تو یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے۔ آخر
طالب علم سال بھر تو استادوں کے ساتھ ہی رہتا
ہے۔ اتنی لمبی مدت میں استاد طالب علم کی حقیقی
لیاقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ پھر روزانہ
ہفتہ وار ماہوار جانچ سے بھی اس کی قابلیت
کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ انھیں چیزوں سے اچھی

طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ لڑکا اگلے درجے میں ترقی پانے کے قابل ہے یا نہیں۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ طالب علم کو اسی درجے میں رکھا جائے گا جس درجے کے وہ لائق ہو۔ محنتی اور ذہین طالب علم کو آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔ اور نالائق اور بدشوق طالب علم کے لئے ترقی کرنے کی سوائے اس کے کوئی صورت نہ ہوگی کہ محنت کے ذریعے اپنے لائق ہونے کا ثبوت دے۔ دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ چونکہ طالب علم کو پورے سال تک اچھا کام کر کے دکھانا ہوگا اس لئے وہ بجائے نو مہینے کھیلنے اور ایک مہینہ پڑھنے کے پورے سال محنت کرے گا اب آپ خود غور کیجئے کہ ایک طالب علم تو پورے سال تک پڑھتا اور محنت کرتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا طالب علم نو دس مہینے کھیل کود میں گذارتا ہے۔ اور امتحان سے تھوڑے دنوں پہلے خوب محنت کرتا اور خوب رٹتا ہے۔ آپ کے خیال میں کون زیادہ قابل ہوگا۔

آج یورپ کے بڑے بڑے ملکوں میں امتحان کے طریقے کو بہت کچھ اڑا دیا گیا ہے۔ اب اس نئے طریقے سے پڑھائی ہوتی ہے۔ اور اس میں کامیابی بھی خوب ہو رہی ہے۔

امتحان کے موجودہ طریقے کے خلاف جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ میں نے آپ کے سامنے ظاہر کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی اس پر غور کریں گے میرے خیال میں تو یہ ہم لوگوں پر ایسی مصیبت ہے جس سے ہمیں سراسر نقصان پہنچ رہا ہے۔ فائدہ کچھ بھی نہیں۔

لطیفہ

ٹکٹ چیکر:۔ ارے میاں تمہارے ٹکٹ کی مدت تو ختم ہوگئی۔

مسافر:۔ واہ بھئی وا آپ بھی خوب آدمی ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ گاڑی کتنی لیٹ ہے۔

کشمیر کی سیر

(از شہاب الدین مالدیپی متعلم جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱)

شہاب الدین مالدیپی پچھلے سال جامعہ میں داخل ہوا ہے۔ شروع شروع میں اُسے اردو بالکل نہیں آتی تھی۔ مگر آٹھ نو مہینے میں اس ذہین اور ہونہار بچے نے ایسی اچھی اردو سیکھ لی ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ اب وہ بات چیت بھی بڑے سلیقہ سے کرتا ہے۔ اس کی گفتگو میں غلطیاں بھی کم ہوتی ہیں۔ لکھنے میں بھی اپنے درجے کے ہندوستانی اور اردو بولنے والے بچوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اور اس کا ایک اچھا ثبوت یہ مضمون ہے۔ پچھلے دنوں گرمی کی چھٹیوں میں یہ اپنے استاد ماسٹر عبد الغفار صاحب مدہولی کے ساتھ کشمیر گیا تھا۔ وہیں سے اس نے یہ مضمون لکھ کر بھیجا ہے۔ اس مضمون کے شائع کرنے کا مقصد یہی نہیں ہے کہ شہاب الدین کی ہمت بڑھے بلکہ یہ بھی ہے کہ تمھیں اس بات کا اندازہ ہو کہ دوسرے ملکوں کے بچوں کو بھی تمھاری زبان سے کتنی محبت ہے۔ اور وہ کتنی جلدی اس آسان زبان کو سیکھ جاتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

دہلی سے روانگی

۲ر جون کی رات کو دہلی اسٹیشن سے کشمیر کی طرف روانہ ہوئے گاڑی میں کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ اس لئے نیچے بستر بچھا کر سونا پڑا۔ دوسرے دن جموں پہنچ گئے۔ جموں کے دفاتر اور سڑکیں اچھی تھیں، اور جنکشن بھی بہت اچھا تھا۔ جموں سے روانہ ہوتے ہی پہاڑ نظر آنے لگے وہاں کی سڑک پیچ در پیچ تھی۔

جموں سے سری نگر تک

جموں سے ۴ر تاریخ کو لاری پر سری نگر روانہ ہوئے۔ ۶½ بجے کے قریب اودھم پور پہنچے، وہاں رات کو لاری ٹھہری اور ہم لوگوں نے سارے شہر میں چکر لگایا۔ کہ کسی مسلمان کی دکان مل جائے بہت دیر کے بعد ایک دکان ملی۔ یہیں پر کھانے اور سونے کا انتظام کیا۔ کل تین چارپائیاں ملیں۔ میں اور کمال بھائی ایک ہی چارپائی پر سوئے۔ صبح اٹھ کر منہ ہاتھ دھوئے، نماز پڑھی

گاڑی میں بیٹھے اور روانہ ہوگئے۔ چلتے چلتے شام کے وقت ایک بہت بڑا پہاڑ ملا جس کی اونچائی ۷،۵۹۰ فٹ ہے۔ اسے پیر پنجالی کا پہاڑ کہتے ہیں، وہاں سے سری نگر کی طرف نیچے چلے اور رات کے کوئی ۱۱½ بجے سری نگر پہنچے۔ وہاں ایک ہندستانی ہوٹل میں ٹھہرنے کا انتظام کیا

سری نگر میں دوسرے دن کشمیر کے ہرے بھرے باغوں کی سیر کی۔ مثلاً

نشاط باغ، یہ بڑا خوب صورت باغ ہے۔ یہاں پھول اور فوارے لگے ہوئے ہیں۔

شالامار۔ یہ بھی بڑا اچھا باغ ہے اس میں ایک پرانی بادشاہی وقتوں کی عمارت ہی۔ یہاں کے فوارے اتوار کے روز کھلتے ہیں۔

چشمہ شاہی۔ اس چشمہ کا پانی کشمیر کے تمام چشموں کے پانی سے بہتر ہے۔ یہاں گلاس کے درخت بہت ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے پھول ہیں۔ سری نگر کے آس پاس رہنے والے امیر لوگ اس چشمہ کا پانی منگا کر پیتے ہیں۔

چشمہ وری ناگ۔ یہ بڑی ہی اچھی جگہ ہے یہاں ایک تالاب ہی جس کے اندر بہت سی مچھلیاں پلی ہوئی ہیں۔ اس باغ میں گلاب کے پھول بہت کثرت سے ہیں۔ سری نگر کشمیر کا پائے تخت ہے۔ یہاں لاری موٹروں کا بہت اچھا انتظام ہے ہوٹل بھی بہت سے ہیں۔ یہاں لوگ ہوس بوٹ (Houseboat) میں بھی رہتے ہیں۔ سری نگر میں ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ اس کے اندر بھی ہوس بوٹ رہتے ہیں۔ اس کا نام جھیل ڈل ہے۔ یہاں سے دور دراز تک اچھی اور پختہ سڑکیں ہیں۔

گاندھربل یہاں کا بہت مشہور ہے۔ دوسرے دن کشتی میں بیٹھ کر گاندھربل کی سیر کرنے گئے گاندھربل کے چاروں طرف پہاڑ اور بیچ میں دریا ہے۔ اس دریا میں چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی ہیں۔ اس میں لوگ ادھر ادھر کشتی چلاتے ہیں اس کے ایک طرف بڑا گانوں ہی۔ یہاں انگریز ہاؤس بوٹ میں آتے ہیں، ہم یہاں

اسلامی سپہ سالار کی سادگی

(مولینا عبدالرزاق صاحب ندوی - ملیح آبادی)

سپہ سالار - فوج کے سب سے بڑے افسر کو کہتے ہیں - یہ بہت بڑا عہدہ ہے، فوج کے ہزاروں آدمی اس افسر کے اشاروں پر چلتے ہیں - یوں سمجھو کہ گویا بادشاہت ہے اب تم خود ہی اندازہ کرلو کہ یہ افسر کتنی شان و شوکت سے رہتا ہوگا - مگر ہم تمھیں ایک مسلمان سپہ سالار کی سادگی کا واقعہ سنائیں - یہ سپہ سالار مشہور صحابی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تھے، مسلمانوں نے جب بیت المقدس پر چڑھائی کی تو وہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ ہم صلح کرنا چاہتے ہیں مگر آپ اپنے خلیفہ کو بلائیے، ہم انھیں سے صلح کریں گے - اس وقت خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ تھے وہ تشریف لے آئے - اس موقع پر فوج کے سب افسروں نے آپ کی دعوت کی مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے آپ کی دعوت نہیں کی -

اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا "فوج کا کوئی ایسا افسر نہیں جس نے مجھے اپنے ہاں نہ بلایا ہو، مگر تم نے اب تک میری دعوت نہیں کی"

حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا "امیر المومنین میں نے اس ڈر سے آپ کو دعوت نہیں دی کہ آپ آئیں اور میرے گھر میں آپ کو آنسو بہانا پڑیں!"

حضرت عمرؓ نے کہا "نہیں، تم مجھے بلاؤ!"

چنانچہ حضرت عمرؓ ان کے ہاں گئے، مگر کیا دیکھتے ہیں کہ گھر میں گھوڑے کے نمدے کے سوا کوئی چیز موجود نہیں - یہی نمدا ان کا بچھونا تھا - گھوڑے کا زین ان کا تکیہ تھا اور ایک طاق میں روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے پڑے تھے! حضرت ابو عبیدہؓ، طاق سے



جاپان میں لڑکیوں کو بھی کھیتی باڑی سکھائی جاتی ہے - یہ دونوں لڑکیاں زراعت (کھیتی) کا فن سکھانے والے ایک اسکول میں پڑھتی ہیں اس وقت کھیت میں کام کر رہی ہیں اور دیکھو کتنی خوش ہیں -

پاس گئے اور یہ سوکھے ٹکڑے لاکر امیر المومنین کے آگے زمین پر رکھ دیئے! پھر کچھ نمک لے آئے، اور مٹی کے کوزے میں پانی بھر کر رکھ دیا!۔

حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔ پھر ابو عبیدہ کو پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹالیا، اور کہنے لگے "تم ہی میرے بھائی ہو، میرے ساتھیوں میں تمھارے سوا اب کوئی نہیں جس نے دنیا کا کچھ نہ کچھ مزا نہ چکھ لیا ہو"

حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا "میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرے ہاں آکر آپ کو آنسو بہانا پڑیں گے!" (فتوح الشام)

اِنعامی مضمون

پچھلے انعامی مقابلے (امتحان) پر مضمون تو کافی آئے لیکن ان میں سے صرف دو کسی قدر اچھے تھے۔ ان دو میں سے صرف عثمان الرحمٰن صاحب کا مضمون انعام کے قابل سمجھا گیا۔ دوسرا مضمون بھی جو ایک طالب علم کا ہے اچھا خاصا ہے یہ مضمون اگر گنجائش ہوئی تو اگلے پرچے میں شائع کیا جائے گا۔ عثمان الرحمٰن صاحب نوشہ کو انعامی کتابیں بھیج دی گئیں۔ ان کا مضمون بھی اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے

دھیال

پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے استاد جامعہ

شاما کا حال تم کسی پچھلے پرچے میں پڑھ چکے ہو۔ گانے والی چڑیوں میں دھیال کا نمبر شاما کے بعد ہے۔ اپریل کے تیسرے ہفتے سے جولائی کے دوسرے ہفتے تک اس کے گانے میں کچھ عجیب مٹھاس ہوتی ہے جب اس کے بچے پر پرزے نکال کر گھونسلے سے اڑ جاتے ہیں تو بچوں کی جدائی کے غم میں یا معلوم نہیں کس وجہ سے اسے بھی چپ لگ جاتی ہے۔ اور اگلے سال کی مارچ تک اس کی سریلی آواز بالکل سنائی نہیں دیتی۔ ہاں مارچ میں جب انڈے دینے کا زمانہ آجاتا ہے وہ اپنا چپ کا روزہ توڑتی ہے۔ شروع شروع میں تو وہ کچھ ایسا اچھا نہیں گاتی معلوم ہوتا ہے کہ اتنے دنوں چپ رہنے کی وجہ سے گانا وانا بالکل بھول بھال گئی ہے کبھی کبھی تو اس کی آواز بہت خراب ہوتی ہے۔ اور کانوں کو بہت بری معلوم ہوتی ہے مگر آہستہ آہستہ اسے اپنے سر یاد آتے جاتے جاتے ہیں۔ آواز پر بھی قابو پالیتی ہے۔ جون جولائی تک تو اس کے گانے میں بہت ہی مستی اور رس پیدا ہو جاتا ہے۔



نر قد میں بلبل کے برابر ہوتا ہے ۔ پر کالے اور سفید ۔ سر ، گردن اور سینے کے اوپر کا حصہ چمکیلے سیاہ رنگ کا ۔ نیچے کا حصہ سفید مگر کالا رنگ بھی ملا جلا چلا گیا ہے ۔ بازو اور دم کالی مگر ان پر سفید دھاریاں بھی ہوتی ہیں ۔

مادہ کے جسم پر بھی نر جیسی دھاریاں ہوتی ہیں ۔ لیکن جن جن جگہوں پر نر کا رنگ کالا ہوتا ہے وہاں مادہ کا رنگ بھورا ہوتا ہے ۔

دھیال کی دم آسمان کی طرف اٹھی رہتی ہے ۔ خاص کر جب یہ زمین سے لگی ہوئی اڑتی یا دوڑتی ہے اور پھر ایک دم رک جاتی ہے تو اپنی دم فوراً اوپر کو اٹھا لیتی ہے ۔ وہ زیادہ تر زمین کے کیڑے مکوڑے کھاتی ہے ۔ اس لئے اسے کسانوں کا دوست سمجھنا چاہیئے ۔

یہ چڑیا تمھیں اکثر تو آم کے باغوں میں نظر آئے گی مگر چونکہ گھریلو پرندوں کی طرح آدمی سے ڈرتی نہیں اس لئے آبادی میں آ کر بھی رہ پڑتی ہے اور مکانوں میں اپنا گھونسلا بنا لیتی ہے ۔

اپریل ، مئی اور جون میں یہ تمھیں اپنے گھونسلے ہی میں ملے گی ، گھونسلے کے لئے وہ سوراخ کو پسند کرتی ہے چاہے وہ پیڑ میں ہو ۔ دیوار میں ہو یا دیوار اور چھت کے درمیان خالی جگہ میں ہو کسی ایسی جگہ گھونسلا نہیں بناتی جو زمین سے دور ہو ۔ کبھی کبھی تو کنوئیں یا مٹی کے پشتے کو وہ گھونسلے بنانے کے لئے پسند کرتی ہے

کوئی اپنی پسند کا سوراخ تلاش کرنے کے بعد اُسے گھونسلا بنانے کی فکر ہوتی ہے اور ادھر ادھر سے سامان اکٹھا کر کے لاتی ہے اب یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ نر اور مادہ مل کر دونوں گھر بناتے ہیں ۔ یا ان میں سے ایک ہی کے ذمے یہ انتظام ہے کبھی موقع ملے تو ضرور اس کا پتہ لگانا اور یہ کچھ مشکل بھی نہیں ۔ کیوں کہ نر اور مادہ کی شکل اور صورت میں بہت فرق ہے ۔ اور یہ فرق اگر ان پرندوں کو ہم دور سے دیکھیں تب بھی معلوم ہو سکتا ہے ۔ یہ بات بھی معلوم کرنے کی ہے ۔ کہ انڈے یہ دونوں سیتے ہیں

یا ان میں سے صرف ایک۔

ڈھیال اپنا گھونسلا گھاس۔ تنکے، جڑوں بھوسے، پروں اور کبھی کبھی پتیوں سے بناتی ہے۔ دوسرے پرندوں کے خلاف وہ سال میں صرف ایک بار بچے نکالتی ہے۔ عام طور پر چار انڈے دیتی ہے۔ یہ بہت ہی خوبصورت ہوتے ہیں۔ ہلکا نیل گوں سبز رنگ اور اس پر سرخ سرخ چتیاں پڑی ہوئی دیکھنے میں بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ پرندوں کے انڈوں میں تمھیں ایک خاص بات معلوم ہوگی اور وہ یہ کہ ان کی شکل مرغی کے انڈوں کی طرح نہیں ہوتی بلکہ ان کا ایک سرا بہت لمبوترا ہوتا ہے۔

(ترجمہ)

لطیفے

گڈریا:- جناب آپ میرے ریوڑ کی تمام بھیڑوں کو گن سکتے ہیں۔

پڑھا لکھا آدمی:- ہاں کیوں نہیں۔ چار سو پچاس ہیں۔

گڈریا:- (حیرت سے) عجیب! آپ نے اتنی جلدی انھیں کیسے گن لیا۔

پڑھا لکھا آدمی:- میاں یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ میں نے تمھاری بھیڑوں کے سارے پیر گن لئے اور انھیں چار سے تقسیم کر دیا۔

ماں:- میرے بچے تو اتنا رویا کیوں کرتا ہے۔

بچہ:- اس لئے کہ تم مجھے چپ کرنے کے لئے مٹھائی کھلاتی ہو۔

کتابی کھیل

(از محمد رشید الدین صاحب متعلم اسلامیہ اسکول لاہور)

اپنے کسی دوست سے کہو کہ کوئی کتاب لے اور کوئی صفحہ کھولے اور تمھیں نہ دکھائے اس صفحے کی کسی سطر سے کوئی ایک لفظ چن لے لیکن وہ سطر صفحے کی پہلی نو سطروں میں یا سے ہو۔ اور لفظ بھی اس سطر کے پہلے نو لفظوں میں سے ہو۔

اب اس سے کہو کہ صفحے کے نمبر کو ۱۰ سے ضرب دے اس کے بعد اس میں پچیس جمع کر کے جس نمبر کی سطر چنی ہو وہ ہندسہ اس رقم میں جمع کرلے۔ اسے ۱۰ سے ضرب دے دے اور سطر سے جس نمبر کا لفظ لیا ہو وہ ہندسہ اس رقم میں جمع کردے۔

اب اس سے کتاب لے لو اور اس سے کہو کہ وہ آخری رقم جو ضرب دے کر اور جمع کر کے آئی ہو کسی کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر تھیں دے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد تم کتاب کھولو اور وہ لفظ نکال دو۔

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سب سے بڑی (آخری) رقم میں سے ۲۵۰ منفی کردو جو جواب آئے اس کا داہنی طرف کا ہندسہ لفظ بتائے گا۔ یعنی فرض کرو کہ ہندسہ ۵ تھا۔ تو جو پانچواں لفظ ہوگا وہی اس کا لفظ ہوگا اس سے دوسرا ہندسہ سطر بتلائے گا یعنی اگر ۹ ہو تو سمجھو کہ نویں سطر ہے اور باقی ہندسے صفحے کا نمبر بتا دیں گے۔

مثلاً کسی لڑکے نے ایک کتاب کے صفحہ ۸۴ پر نویں سطر میں سے پانچواں لفظ چنا ہی تو وہ اس طرح کرے گا:-

۸۴ × ۱۰

۸۴۰ + ۲۵ + ۹

۸۷۴ × ۱۰

۸۷۴۰ + ۵ = ۸۷۴۵

تم ۸۷۴۵ میں سے ۲۵۰ منفی کردو تو ۸۴۹۵ رہ جائیں گے

اب ۸۴۹۵ میں سے پانچ کا ہندسہ لفظ کا نمبر ہوگا۔ یعنی لفظ پانچواں ہے نو کا ہندسہ سطروں کا ہوگا یعنی نویں سطر ہے اور باقی یعنی ۸۴ صفحہ کا نمبر۔

اس طرح تم اپنے دوستوں کو حیران کردوگے اور وہ کہیں گے۔ بھئی تم تو جادوگر ہو

سلائی کی مشین

پہلے زمانے میں کپڑا صرف ہاتھ سے سیا جاتا تھا ہمارے ہندوستان میں اب بھی گھر کی عورتیں اور بعض درزی بہت سا کام ہاتھ ہی سے کرتے ہیں مگر جب سے مشینیں ایجاد ہوئی ہیں یہ رواج اٹھتا جا رہا ہے۔ مشینوں سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ وقت کی بہت سی بچت ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ کام بہت صفائی سے ہونے لگا۔ اسی لئے اب گھر کی عورتیں بھی اسے پسند کرنے لگی ہیں، آج ہم تمھیں بتائیں کہ یہ مشین کس نے ایجاد کی تھی۔ سب سے پہلے تو ایک انگریز نے ایک ایسی مشین ایجاد کی جس سے صرف چمڑا سیا جا سکتا تھا اس کے چند ہی سال بعد فرانس کے ایک درزی تھمونیر نامی نے اس سے بھی اچھی مشین بنائی۔ اس سے کپڑا بھی سی سکتے تھے اس نے ایک کارخانہ بھی اس قسم کی مشین بنانے کا کھولا لیکن درزیوں کو یہ بات بہت ناگوار گذری بہت سے درزی کارخانے میں زبردستی گھس آئے اور ساری مشینیں توڑ پھوڑ دیں انھیں ڈر تھا کہ ان مشینوں کی وجہ سے ان کا کاروبار خراب ہو جائے گا ۱۸۳۲ء میں ایک امریکن ولیم ہنٹ نے ایک اور مشین لاک سٹیچ کے نام سے ایجاد کی۔ لیکن اس نے اپنی اس ایجاد کو پیٹنٹ[۱] نہیں کرایا اس لئے اسے کچھ ایسی کامیابی نہیں ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد ایک دوسرے امریکن الیاس ہاؤ نے اسی قسم کی مشین بنائی مگر امریکہ کے درزیوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ اپنی مشین لے کر انگلستان چلا آیا۔ اس کے بعد تو بہت سی اچھی اچھی مشینیں ایجاد ہوگئیں۔

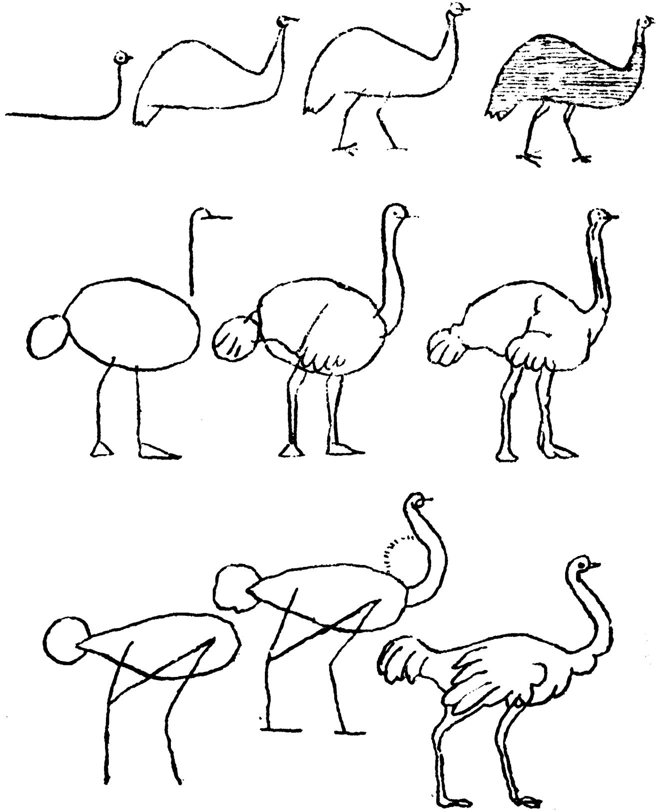
(زین العابدین صاحب بی اے۔ استاد جامعہ تعلیمی مرکز ۱)

[۱] جب کوئی شخص کوئی نئی چیز بناتا یا ایجاد کرتا ہے تو وہ اپنی ایجاد رجسٹری کرا لیتا ہے تاکہ کوئی دوسرا اس کی نقل اتار کر یہ دعویٰ نہ کردے کہ یہ میری ایجاد ہے اس کو پیٹنٹ کرانا کہتے ہیں۔ اگر تم اسے اچھی طرح نہ سمجھے ہو تو اپنے استاد سے پوچھو وہ تمھیں سمجھا دیں گے۔

تصویر بنانے کا آسان طریقہ

شتر مرغ

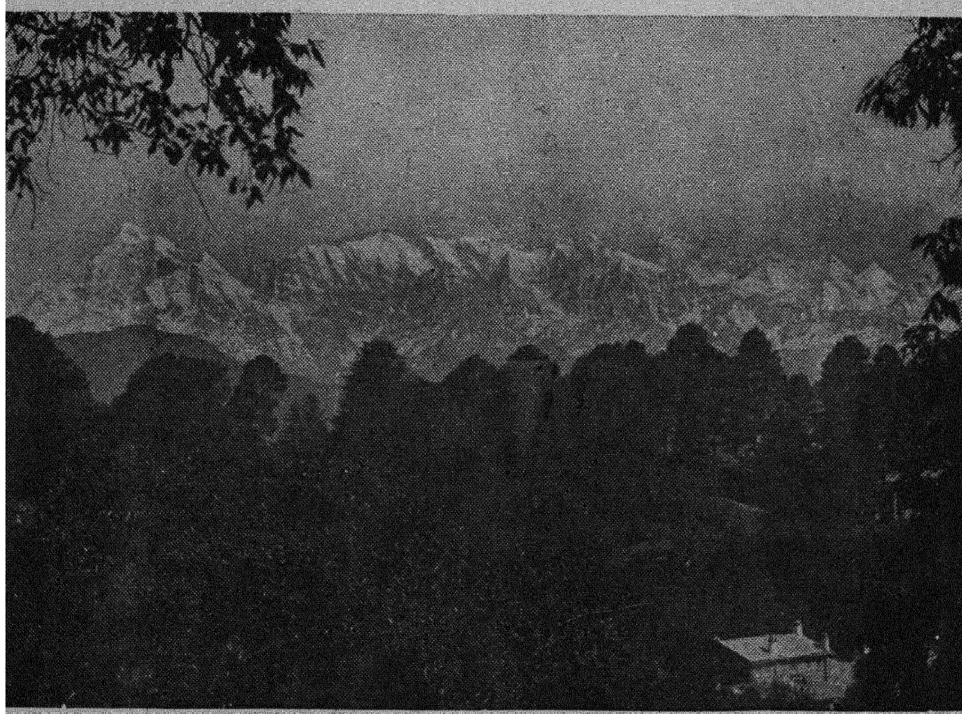
آج ہم تمھاری دلچسپی کے لئے شتر مرغ کی تصویر شائع کرتے ہیں۔ شتر مرغ کا لفظ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے شتر اور مرغ، شتر اونٹ کو کہتے ہیں اور مرغ کے معنے پرندہ۔ یہ اونٹ تو اس لئے ہوا کہ اس کی گردن اور ٹانگیں لمبی لمبی ہیں اور مرغ اس لئے کہ اس کے پر بھی ہیں۔ مگر بیچارہ کچھ بھی نہیں اس لئے کہ پرندہ کی طرح اڑ سکتا ہے اور نہ اونٹ کی طرح بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ یہاں اس کی تین طرح کی تصویریں دی گئی ہیں۔ تم بھی بنا کے دیکھو۔ بہت آسان ہیں





ذرا ان میاں کتے صاحب کو دیکھنا یہ بھی اپنے آپ کو پانچویں سواروں
میں سمجھتے ہیں اور اپنے ساتھی کی طرح گاڑی ڈھکیلنے کے لئے
زور لگا رہے ہیں

Calcutta Art Press, Delhi.



کبھی پہاڑ پر بھی گئے ہو - دیکھو یہ ہمالہ پہاڑ کا ایک بہترین منظر ہے اور دارجلنگ (بنگال) سے نظر آتا ہے جو ایک مشہور پہاڑی جگہ ہے -



پیام تعلیم

جلد ۱۷ | بابت ماہ اکتوبر ۳۴ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

ایڈیٹر۔ محمد حسین حسّان ندوی

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی جامعہ پریس

قیمت سالانہ عہ

پیام تعلیم کے نئے خریدار

فی پرچہ ۴ر

ایم۔ایس اینڈ سنز، کلکتہ	منشی مسیح الزماں خاں صاحب، ڈیرہ دون
اردو مڈل اسکول، Closepet	اسٹوڈنٹس لٹریری ایسوسی ایشن Abiram-am
محمد حسین صاحب، کوئٹہ	مڈل اسکول، جاگی پیٹھ اندول
عبدالعزیز صاحب، کانپور	حسین اِنک اینڈ کو بمبئی
ہائی اسکول، جگتیال	لائبریری مسلم یونیورسٹی یونین، علیگڈھ
مدرسہ وسطانیہ، آصف آباد	مشن اسلامیہ ہائی اسکول، بدایوں
گورنمنٹ اردو پرائمری بائیں اسکول، Malebenur	محفوظہ بیگم صاحبہ، باسم
محمد عالم صاحب، چک ملکھانوالہ	مسعودہ خاتون صاحبہ، مہاراج گنج
بچوں کی لائبریری، گلبرگہ عثمانیہ کالج	مدرسہ تحتانیہ، پوٹ گل
رانی صاحبہ، دیوگاؤں	مسلم یونیورسٹی اسکول، علیگڈھ
میونسپل ہائی اسکول Hole nar sipur	خواجہ تربھون پرشاد، حیدرآباد دکن
سید کلیم حامد صاحب رضوی، بھوپال	مدرسہ وسطانیہ، مجلگاؤں
مدرسہ وسطانیہ، اجودہ مانک گڈھ	بدیع الحسن خاں صاحب، رنگون
عبدالصمد صاحب۔ برق کرکوک	مس بلقیس گل محمدؐ، کراچی
گورنمنٹ اسکول ڈیرہ بگٹی	سید حسن العزیز صاحب، علیگڈھ
محمد نور خاں صاحب Morena	مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب، دیوی شریف
اسٹوڈنٹ ڈبیٹنگ سوسائٹی، اسکول ہنگولہ	

بچّوں سے باتیں

اس پرچے میں ہم تمہاری دلچسپی کے لئے بہت اچھے اچھے مضمون شائع کر رہے ہیں پہلا مضمون تو پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے کا ہے ان کے کئی مضمون اس سے پہلے بھی پیام تعلیم میں تم پڑھ چکے ہو یہ کہانی اُنھوں نے تمہارے لئے بہت محنت اور توجہ سے لکھی ہے ہمیں اُمید ہے کہ تم بھی پڑھ کر خوش ہوگے پروفیسر عاقل صاحب آئندہ بھی انشاء اللہ ایسے اچھے اچھے اور دلچسپ مضمون تمہارے لئے لکھتے رہیں گے ۔

ایک اور مضمون "ہوائی جہازوں کی دوڑ" پر ہے یہ مضمون ہم نے تمہارے لئے خاص طور پر جناب سیّد صباح الدین صاحب ایم اے بی ٹی سے لکھوایا ہے ۔ یہ دوڑ جیسا کہ تمہیں مضمون پڑھنے سے معلوم ہوگا ۲۰ اکتوبر سے لندن سے شروع ہوگی اور آسٹریلیا کے دارالسلطنت ملبورن پر ختم ہوگی ۔ ایسا مقابلہ جس میں اتنے جہاز اتنی دور کی دوڑ کے لئے شریک ہوں کبھی نہیں ہوا تھا بلکہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا مقابلہ دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلا اور اہم واقعہ ہے ۔ اسی لئے ہم نے خیال کیا کہ ایسی اہم چیز سے تمہیں کیوں بے خبر رکھا جائے ۔ صباح الدین صاحب نے مضمون بھی نہایت سہل اور دلچسپ انداز میں تیار کیا ہے ۔ پھر بھی اگر کسی جگہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اپنے ماسٹر صاحب سے پوچھ لینا ۔ تمہاری سہولت کے لئے ہم نے ایک نقشہ بھی شامل کر دیا ہے ۔ مضمون پڑھتے وقت اُسے ضرور سامنے رکھنا ۔

چاند سورج اور ستاروں والے مضمون کا

سلسلہ اس پرچے پر ختم ہو جائے گا۔ یہ سلسلہ تمہارے بہت سے بھائیوں نے اور خاص کر تمہارے اُستادوں نے بہت ہی پسند کیا ہم جناب محمود علی خان صاحب کا اپنی اور تمہاری طرف سے بہت شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ محمود علی خاں صاحب اب تمہارے لئے ۔ کوئی اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور مفید سلسلہ شروع کریں گے ۔

پیامِ تعلیم کا سال گرہ نمبر اللہ نے چاہا تو جامعہ کی یومِ تاسیس (سال گرہ کے دن) یعنی ۲۹ر اکتوبر تک نکل جائے گا تم اپنے اس پرچے کا بڑے شوق سے انتظار کر رہے ہو گے اور یہ معلوم کرنے کے لئے بھی بے تاب ہو گے کہ اس میں کیا کیا ہو گا۔ مگر بھائی یہ ہم کچھ نہیں بتائیں گے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ یہ بہت ہی عجیب و غریب ہو گا اور پچھلے سال کے سال گرہ نمبر سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔

پیامِ تعلیم میں مضمون لکھنے والے بھائیوں سے ہم کئی بار یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ وہ مہربانی فرما کر مضمون خوش خط کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھ کر بھیجیں علاوہ اس کے زبان ایسی صاف، سادہ اور سہل ہو کہ بچّوں کو پڑھنے اور سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ بار بار یاد دلانے پر بھی بہت سے بھائی اس کا خیال نہیں رکھتے۔ بہت سے بھائی مضمون بھیجتے ہی انہیں جلد چھاپنے کا تقاضا کرنے لگتے ہیں اور بہت سے بھائی ایسے بھی ہیں جن کے مضمون اگر پیامِ تعلیم میں چھاپ دئے جائیں تو یقین ہی کہ پڑھنے والے انہیں ناپسند کریں مگر ان کو چھپوانے پر اصرار ہوتا ہے اور نہ چھاپو تو ناراض ہوتے ہیں۔

ان تمام بھائیوں سے ہماری گذارش ہے کہ پیامِ تعلیم بچّوں کا پرچہ ہے اس میں ایسے ہی مضمون شائع ہوتے ہیں جو بچّوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہوں۔ اس لئے ہم ایسے مضمون جن میں یہ باتیں نہ ہوں پیامِ تعلیم میں شائع کرنے سے مجبور ہیں۔ علاوہ اس کے پیامِ تعلیم کے مضمون نگار خدا کے فضل سے بہت ہیں اسلئے اگر کسی کا مضمون دیر سویر سے شائع ہو تو اُسے شکایت نہ کرنی چاہیئے۔



اِنعامی مقابلہ

(پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے علیگ - استاد جا

کیوں صاحب الّو کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے - آپ تو اس بے چارے کو بہت ہی بے وقوف ناکارہ اور منحوس سمجھتے ہوں گے اور اگر آپ کے ابا جان یا بھائی صاحب کسی قصور پر آپ کو الّو کہہ دیں تو آپ کچھ کہہ تو نہیں سکیں گے - لیکن برا آپ کو بہت لگے گا - اور کیا عجب ہے کہ غصہ سے آپ کی آنکھیں اور بھنویں بھی اوپر کو چڑھ جائیں - گویا آپ اس خطاب کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں - معلوم نہیں اُلّو کے بارے میں ہم اور آپ سب کیوں ایسے بدگمان ہو گئے ہیں - ورنہ اُن کی عقل مندی اور سوجھ بوجھ تو دور دور مشہور رہے - خاص کر پرندے تو انھیں اپنا بزرگ اور چودھری سمجھتے ہیں - اور ایسی ہی عزت کرتے ہیں - جیسے ہم آپ اپنے لیڈروں کی - کبھی کبھی بلکہ اکثر رات میں ان کے چاروں طرف بہت سی چڑیاں جمع ہوتی ہیں اور یہ انھیں اچھی اچھی عقل مندی اور نیکی کی باتیں بتاتے ہیں - آج ہم آپ کو ان کا ایک دل چسپ قصہ سنائیں

ایک دن چودھری صاحب (اُلّو) پرانے پیپل کے درخت پر بیٹھے تھے۔ چاروں طرف بہت سی چڑیاں جمع تھیں۔ مزے مزے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اتنے میں چودھری صاحب بولے۔ بھئی یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ آج کل انسانوں میں مقابلے کا بہت زور شور ہے۔ دوڑنے کا مقابلہ، کودنے کا مقابلہ، کُشتی کا مقابلہ، موٹر چلانے کا مقابلہ، سائیکل دوڑانے کا مقابلہ، ہوائی جہاز کا مقابلہ، گھونسہ بازی کا مقابلہ، گھوڑا دوڑانے کا مقابلہ، مضمون لکھنے کا مقابلہ (سنا ہے پیام تعلیم پڑھنے والے بچے بڑی خوشی سے اس میں شریک ہوتے ہیں) اور نہ معلوم کس کس چیز کا مقابلہ۔ غرض یوں سمجھو کہ لوگوں پر مقابلہ کا جنون سوار ہے۔ یہ دیکھ دیکھ کر مجھے بھی شوق پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی کیوں نہ کوئی دلچسپ مقابلہ کر ڈالیں۔ معلوم نہیں تمھاری کیا رائے ہو۔ مگر میرے ذہن میں تو ایک مزے دار تجویز آئی ہے یعنی یہ کہ گھونسلہ بنانے کا مقابلہ کیا جائے۔ بس جس کا گھونسلا سب سے اچھا اور سب سے خوب صورت ہوگا اسے میں اپنی طرف سے بہت قیمتی انعام دوں گا

یہ سُن کر سب چڑیوں نے اپنی اپنی بولی میں خوشی کے نعرے لگائے۔ "واہ، واہ سبحان اللہ کیا اچھی تجویز ہے۔ چودھری صاحب زندہ باد چودھری صاحب کی جے"۔

چودھری صاحب:۔ اور سنو بھائی انعام اکتوبر کی دوسری تاریخ کو دیا جائے گا۔ اس لئے ۳۰ ستمبر تک تمام گھونسلے تیار ہو جائیں۔ ایک بات اور بتا دوں انعام کا فیصلہ کرتے وقت ہر اُس بات کا خیال رکھا جائے گا جو گھر کے آرام کے لئے ضروری ہے۔

ایک چڑیا:۔ مثلاً؟

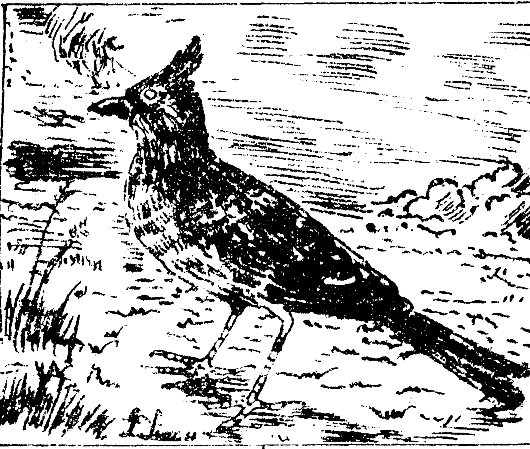
چودھری صاحب:۔ مثلاً یہ کہ گھونسلے میں صفائی کیسی ہے۔ ہوا کا کیا انتظام ہے۔ گھونسلا کیسے موقع پر بنایا گیا ہے۔ اس کے بنانے میں کیسا مسالہ لگایا گیا ہے، نالیاں کیسی بنی ہیں۔ اور ایسی کون سی تدبیر اختیار کی گئی ہے جس سے محنت کم اور کام زیادہ ہو۔

یہ سن کر سب نے مارے خوشی کے پر پھلا لئے اور چودھری صاحب کی جے کے نعرے لگاتی پھُر پھُر اڑ گئیں۔

تمام چڑیاں بڑے شوق اور دلچسپی سے اپنے اپنے گھونسلے بنا رہی تھیں۔ کچھ ان میں سے سست اور کاہل بھی تھیں۔ اور آج کل، آج کل کر رہی تھیں۔ اسی لئے ان کے گھونسلے تیار نہیں ہو پائے۔ چودھری صاحب ان کی رعایت کر سکتے تھے۔ اور مقابلے کی مدت بڑھا سکتے تھے مگر اس معاملے میں وہ بہت سخت تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر سست اور کاہل کی رعایت کی جائے۔ تو پھر وہ ہمیشہ سست ہی رہتا ہے۔

لیکن اکثر چڑیوں کے گھونسلے ۳۰ ستمبر کی رات تک تیار ہو چکے تھے۔ ادھر چودھری صاحب بھی پر پھڑپھڑا کر نیچے اترے۔ بہت سی چڑیاں جمع تھیں۔ اتنے میں میاں ہنڈول بول اٹھے چودھری صاحب شروعات مجھ سے کیجئے، کیوں کہ میں جھٹپٹے سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں

چودھری صاحب:- نہیں میاں۔ اس طرح تو ہر ایک یہی کہنے لگے گا اور تمھاری طرح کوئی نہ کوئی وجہ بھی بتا دے گا۔ مگر اس میں نا اتفاقی کا ڈر ہے۔ اس لئے کوئی مجھ سے کچھ نہ کہے۔ میں اپنے خیال میں جو مناسب سمجھوں گا۔ وہی کروں گا۔ اس پر سب چپ ہو گئے۔ چودھری صاحب بولے۔ بی کلچڑی پہلے تم اپنا گھونسلا دکھاؤ بی کلچڑی کا گھونسلا ایک ٹھنٹ پر بنا ہوا تھا سامنے خوب صورت باغ تھا۔ چودھری صاحب نے فرمایا۔ بھائی جگہ تو خوب ہے۔ یہاں سے گلاب کی کیاریاں اور سرو کے درخت بہت خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر بی کلچڑی تمھارے گھونسلے میں ایک بڑی خرابی نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے محنت سے بچنے کے لئے تم نے اس سال کا گھونسلا پچھلے سال کے بچے کچھے گھونسلے پر بنایا ہے۔



کوئل بولی اب اس کے بعد میرا نمبر ہے
مگر میاں لال نے چہک کر لقمہ دیا۔ جی نہیں سرکار

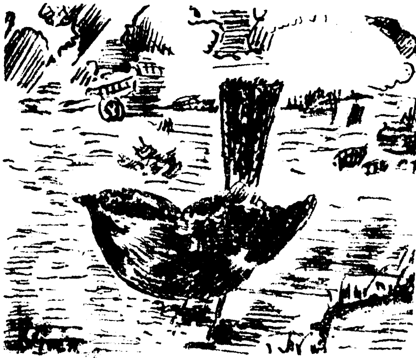


میرا نمبر ہے۔ اور آپ کس منہ سے مقابلے میں شریک ہونے آئے ہیں۔ کبھی اس سے پہلے گھونسلہ بنانے کی توفیق ہوئی ہے۔

چودھری صاحب نے فیصلہ کیا کہ اب شکر خورے کا نمبر ہے



لال کا نمبر گوریا سے پہلے آئے گا۔

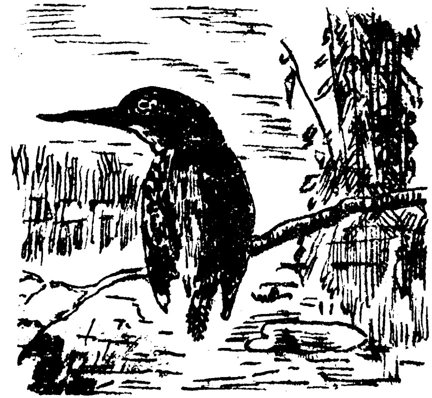


میاں شکر خورے کا گھونسلا بئے کے گھونسلے کی طرح درخت کی شاخ سے لٹکا ہوا تھا۔ زمین سے کوئی گز ڈیڑھ گز اونچا ہو گا۔ مگر درخت جھیل کے کنارے تھا۔ اور یہ گھونسلہ گویا پانی پر تھا۔ چودھری صاحب نے اسے دیکھ کر بہت ہی پسند کیا کہنے لگے۔ یہ تو عجیب غریب چیز ہے۔ تم نے مکڑی کے جالے گھاس اور کاغذ وغیرہ سے ایک محل کھڑا کر دیا ہے۔ مگر بھائی یہ ہے بہت خطرناک موقع پر تیز ہوا میں تمھارے بچے جھیل میں گر جائیں گے۔

اس کے بعد بی شاما آگے بڑھیں۔ انھوں نے اپنا گھونسلا مئی، جون ہی میں بنا لیا تھا

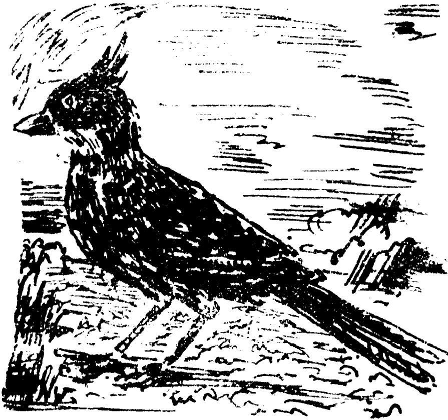
گھونسلا کیا تھا ایک درخت کے سوراخ میں گھاس پھوس اکٹھا کرکے رہنے کی جگہ بنالی تھی۔ چودھری صاحب بولے۔ بھائی اس سے تو فقیروں کا جھونپڑا۔ اچھا اور صاف ستھرا ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

اب رام چڑیا[۵] کی باری آئی۔ چودھری صاحب نے فرمایا۔ یہ مچھلی کی ہڈیوں کا گھونسلا انوکھی



چیز تو ضرور ہے۔ مگر اس میں سے بساند (بدبو) آتی ہے

میاں چنڈول گا گا کر کہنے لگے۔ ذرا ادھر بھی تکلیف فرمائیے۔ دیکھئے کیا اچھا گھونسلا بنایا ہے۔ یہ گھاس کے اس حصے کے پیچھے

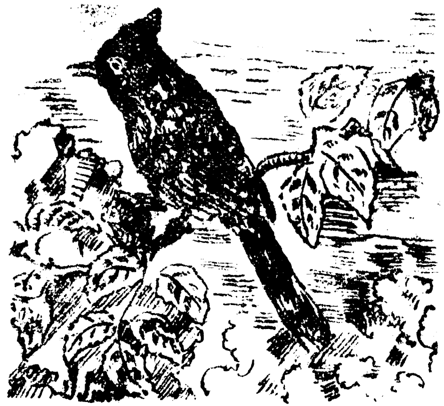


ہے۔ میں نے اُسے بجری پر بنایا ہے ارے یہ کیا!! غضب ہوگیا!!! کسی کمبخت گائے نے اپنے کھروں سے دباکر اسے پچکا دیا ہے"، ہائے بے چارا چنڈول۔ ساری محنت اکارت گئی

سب چڑیاں ایک آواز سے کہنے لگیں "پھر بلبل نے اپنا گھونسلا دکھایا۔ ایک درخت کی شاخ پر تھا۔ زمین سے کوئی گز بھر اونچا چودھری صاحب دیکھتے ہی پھڑک گئے

[۵] ۔ اسے کلنکا یا نورا مچھرالا بھی کہتے ہیں۔ یہ چھوٹی مچھلیوں کا شکار کرتا ہے۔

واہ وا، سبحان اللہ یہ گھونسلا تو ہر طرح سے مکمل



ہے اور یہ سفید استر تو بہت ہی خوبصورت ہے۔ مگر بھئی یہ انگریزی روئی تمھیں کہاں سے ملی۔ یہ تو شفاخانوں میں کام آتی ہے۔ کیا کسی ڈاکٹر کے یہاں سے اڑا لی۔

بلبل:- جی ہاں یہ انگریزی روئی میں نے بڑی ترکیبوں سے حاصل کی ہے۔

اس تعریف سے میاں لال کچھ جل سے گئے۔ چودھری صاحب سے کہا حضرت اب آگے بڑھیے۔ اور ذرا میرا گھونسلا بھی دیکھیے وہ چودھری صاحب کو ایک دیوار کی طرف لے گئے۔ جو بیل سے ڈھکی ہوئی تھی کہنے لگے دیکھئے میرا گھونسلا خوب ڈھکا ہوا ہے۔ اور آس پاس کی چیزوں سے اس کا ایسا میل ملا ہے، کہ واہ وا۔ انھیں اپنے گھونسلے پر بہت ناز تھا مارے شیخی کے دیوار کی بیل پر پھدک رہے تھے

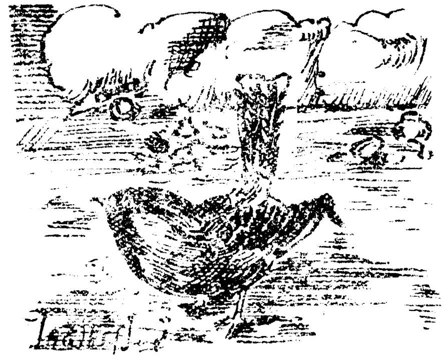
چودھری صاحب:- مگر یہ تو بتائیے وہ ہے کدھر۔ بھلا میں جب تک دیکھ نہ لوں۔ اس کے بارے میں کیسے فیصلہ کر سکتا ہوں۔

میاں لال ذرا پریشان ہوئے اصل یہ کہ اس وقت خود انھیں بھی اپنا گھونسلا نظر نہیں آرہا تھا۔ بات بنا کر کہنے لگے چودھری صاحب بس یہیں ہے، بات یہ ہے کہ وہ ایسی اچھی طرح ڈھکا ہوا ہے کہ اس وقت میرے لئے بھی اس کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا ہے۔

چودھری صاحب نے ذرا ناراض ہو کر کہا بھئی ہمارے پاس وقت اتنا فالتو نہیں ہے۔ بی گوریا تم اپنا گھونسلا دکھاؤ۔

بی گوریا کا گھونسلا اناج کی پرانی تجاری میں تھا۔ اور گھاس۔ اخبار کے ٹکڑوں۔ دیا سلائیوں اور بہت سے پروں وغیرہ

سے بنایا گیا تھا۔ اور بھی ادھر ادھر کی



بے کار چیزیں جمع تھیں۔

چودھری صاحب:۔ (ذرا جھلا کر) بہت بھدے طریقے سے تمام چیزیں جمع کر دی گئی ہیں ارے اس میں تو آگ بھی بڑی آسانی سے لگ سکتی ہے اس میں بعض دیا سلائیاں تو بے جلی ہیں۔

بی گوریا کو اور کوئی بات تو سوجھی نہیں کہنے لگیں۔ اخبار تو اس لئے اکٹھے کئے ہیں کہ انڈے سیتے وقت بے کار کیوں بیٹھوں۔ اخبار ہی پڑھتی رہوں۔

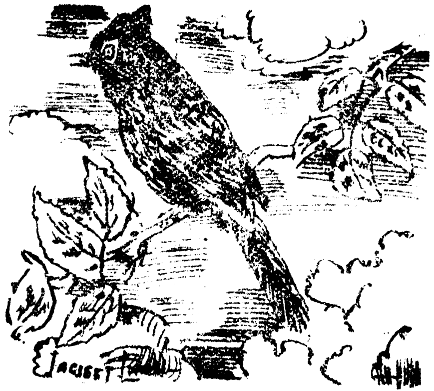
چودھری صاحب:۔ بہت خوب آپ کو اپنی بے کاری کا بہت خیال ہے۔ اب بی بھدکی کی باری تھی۔ انھوں نے اپنا گھونسلا گھاس کے ایک بڑے ڈھیر کے پاس بنایا تھا۔ مگر جب چودھری صاحب نے اسے جھانک کر دیکھا تو اس میں سے ایک چوہے نے منہ نکالا۔ چودھری صاحب نے کہا۔ بی بھدکی کہیں تم بھول تو نہیں گئیں کیا سچ مچ یہ تمھارا ہی گھونسلا ہے بے چاری چڑیا رونے پیٹنے لگی ہائے غضب ہو گیا اس نامراد چوہے نے میرے انڈے کھا لئے ہوں گے۔ اور میرا گھونسلا خراب کر دیا ہوگا۔

اب چودھری صاحب نے سارے گھونسلے دیکھ ڈالے تھے۔ اور انعام دینے کا وقت تھا کسی چڑیا کو معلوم نہیں تھا چودھری صاحب نے کس کے گھونسلے کو پسند کیا ہے۔ اس لئے سب چڑیاں ان کے منہ اور گول گول آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اور جب انھوں نے سب کو بلایا۔ تو سب کی سب ان کے چاروں طرف جمع ہو گئیں۔ چودھری صاحب نے کہا تمھارے گھونسلوں کو دیکھ کر مجھے بڑی ہی خوشی ہوئی۔ ہر ایک گھونسلے میں کوئی نہ کوئی خاص

بات ضرور تھی۔ لیکن میرے خیال میں تم سب سے اچھا گھونسلا بی بلبل کا تھا۔ اس لیے انعام بھی انھیں بیوی کو ملے گا

سب چڑیوں نے پر پھڑ پھڑائے اور خوب شور مچایا۔ شور کچھ کم ہوا تو چودھری صاحب نے کہا کیا اچھا ہو اگر بی بلبل یہ بتادیں کہ انھوں نے روئی کہاں سے حاصل کی جس سے ان کا گھونسلا اتنا خوب صورت بن گیا

بلبل۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔ بڑی خوشی ہے۔ آپ اس بنگلے کو تو اچھی طرح جانتے



ہیں۔ جو باغ کے کنارے پر ہے اس میں ڈاکٹر ممتاز صاحب رہتے ہیں۔ ایک دن شام کو یہ دیوار کے درخت کے نیچے گھاس پر لیٹے ہوئے تھے۔ شاید سو رہے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس وقت یہ میرے گیت کو سُن کر بہت خوش ہوں گے گانا شروع کیا۔ لیکن جب یہ ذرا بھی نہ ہلے تو میں اُن کے کندھے پر جا بیٹھی۔

لال:۔ ارے بہن تم تو بڑی دلیر ہو۔

بلبل:۔ لیکن جو کچھ میں نے دیکھا اسے سُن کر آپ کو بڑا تعجب ہوگا۔ انھوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی۔ مجھے بڑا برا معلوم ہوا ساری عمر میں اس سے زیادہ میری توہین کبھی نہیں ہوئی تھی۔

گوریا:۔ (بے تابی سے) پھر کیا ہوا؟

بلبل:۔ ہوا یہ کہ میں نے بہت ہی آہستہ سے ان کے کانوں سے روئی نکال لی۔ اور وہ یوں ہی بے خبر پڑے سوتے رہے یہ روئی میں اپنے گھونسلے میں لے آئی۔

چودھری صاحب:۔ (ہنس کر) بہت خوب بہت خوب پھر کیا ہوا۔

بلبل:۔ اس کے بعد تین دن تک میں نے گا کر

انھیں جگانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ چپکے سے کانوں میں سے روئی نکال کر گھر لے آئی۔

چودھری صاحب:۔ پھر کیا ہوا۔

بلبل:۔ تو پھر انھوں نے اون کے بالوں کا کنٹوپ پہننا شروع کر دیا۔

چودھری صاحب:۔ پھر تم نے کیا کیا۔

بلبل:۔ (ہنس کر) پھر میں نے کچھ بھی نہیں کیا مجھے جتنی روئی کی ضرورت تھی مل چکی تھی۔

اس رات جب چودھری صاحب پر پھڑپھڑاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے بنگلے کا چکر لگا رہے تھے تو انھوں نے یہ بات چیت سنی۔

ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں سے کہہ رہے تھے کہ تین چار دن سے میرے ساتھ عجیب واقعہ پیش آ رہا ہے۔ میری عادت ہے کہ جب میں باغ میں سونے جاتا ہوں تو



اپنے کانوں میں روئی رکھ لیتا ہوں، تاکہ چڑیاں مجھے اپنے شور سے نہ جگا سکیں۔ لیکن تین چار روز سے جب سو کر اٹھتا ہوں تو روئی غائب ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا بھید ہے۔ کچھ آپ ہی سوچ کر بتایئے

مگر ڈاکٹر صاحب کے دوست ایک نوکر کی طرف دیکھنے اور ڈاکٹر صاحب کی آنکھ بچا کر آنکھ مارنے لگے انھیں خوب معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب گپ اڑانے میں کیسے تیز ہیں۔

مگر چودھری صاحب یہ باتیں سن کر خوب ہنسے

لطیفے

جج:۔ تمھیں پہلے کے بار سزا ہو چکی ہے۔

ملزم:۔ حضور پانچ بار۔

جج:۔ تو پھر تمھیں انتہائی سزا دی جائے گی

ملزم:۔ انتہائی!!! پرانے گاہکوں کو کچھ کمیشن بھی تو دیا جاتا ہے۔ سرکار!

باپ:۔ (ناراض ہو کر) اچھا تو اپنے درجے میں سب سے کمزور تمھیں ہی ہو۔ کیوں جناب؟

بیٹا:۔ مگر ابا اس میں میری کیا خطا ہے جو مجھ سے بھی کم زور لڑکا تھا وہ اسکول چھوڑ کر چلا گیا۔

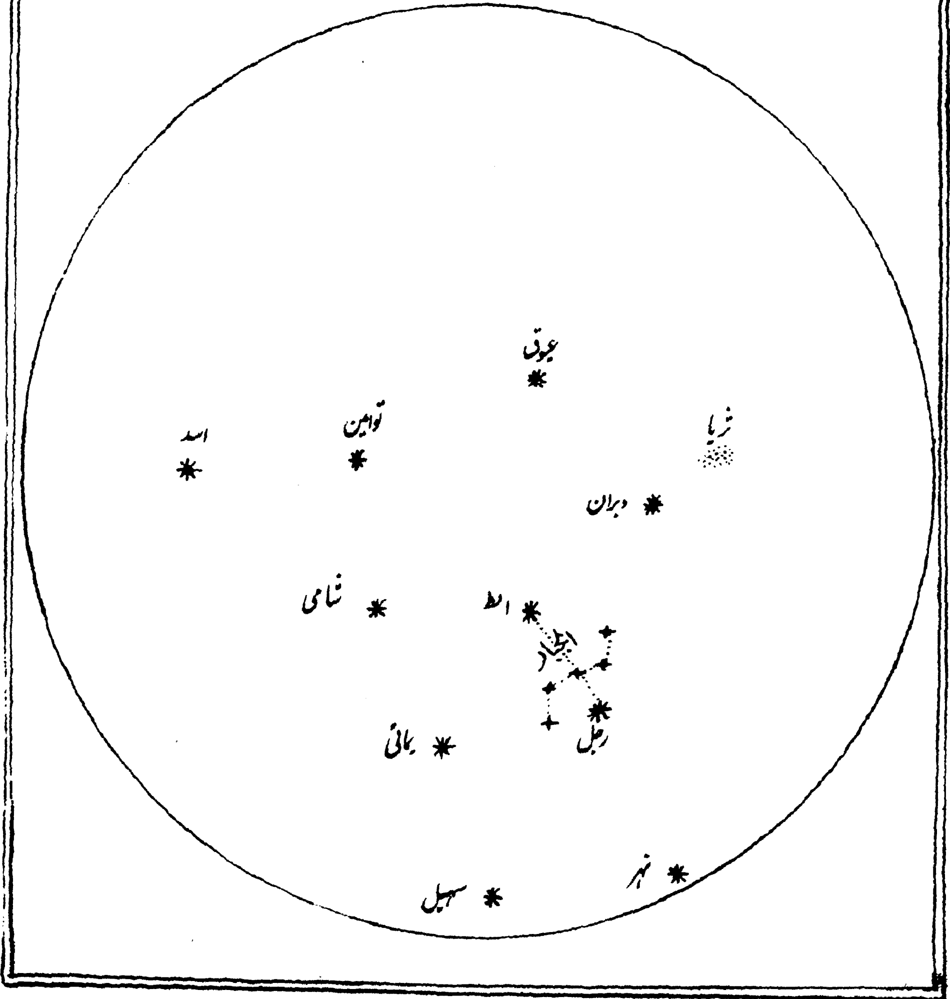
ماں:۔ بیٹے تو نے خط ڈاک میں ڈال دیا

شاہد:۔ جی ہاں۔

ماں:۔ مگر یہ ٹکٹ تیرے ہاتھ میں کیسا ہے۔ یہ تو میں نے تجھے لفافے پر چپکانے کے لئے دیا تھا شاید تو نے خط یوں ہی ڈال دیا۔

شاہد:۔ اور کیا اماں۔ بھلا اس کی ضرورت بھی کیا تھی لیٹر بکس میں اس وقت خط ڈالا جب کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

جاڑوں کے ستارے



جاڑوں کے ستارے

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

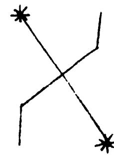
دیکھئے آج چاند نہیں نکلا ہے تو آسمان پر ستارے کیسے بکھرے چھٹکے ہیں۔ آج تو بھری محفل ہے آہا ہا۔ کیسا لطف آرہا ہے۔ سارا آسمان جگر جگر کر رہا ہے طرح طرح کی صورتیں اور نقشے آسمان پر دکھائی دے رہے ہیں۔ واقعی جاڑوں کا آسمان دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ گرمیوں میں یہ بہار کہاں؟ گرمیوں میں درجۂ اول کے صرف سات ستارے ہوتے ہیں۔ آج کل پورے دس ہیں۔ پھر گرمیوں کا کوئی برج بھی ایسا روشن نہیں ہوتا جیسے آج کل کے برج روشن ہیں۔

آپ کو کچھ سردی تو لگے گی لیکن ذرا چسٹر پہن کر یا کمبل اوڑھ کر ذرا ہمارے ساتھ چلئے تو ان ستاروں کی بہار دکھائیں۔

وہ دیکھئے قطب ستارا تو آپ پہچانتے ہی ہیں۔ گرمیوں میں پلنگ آپ کے سیدھے ہاتھ کی طرف تھا۔ اب یہ آپ کے اُلٹے ہاتھ کی طرف آگیا۔ گرمیوں میں اس پلنگ کے چاروں پائے اوپر کو اور دُم نیچے کو تھی، اب دُم اوپر ہوگئی، اور چاروں پائے نیچے۔ پیڑھی بھی پہلے قطب کے ٹھیک نیچے تھی۔ اب قطب کے ٹھیک اوپر ہے بیچوں بیچ آسمان میں سر کے اوپر اول درجے کا ایک ستارہ عیّوق ہے۔ عیوق کے شمال میں کوئی روشن ستارہ نہیں ہے۔ سارا بازار اس کا جنوب میں لگا ہے۔ ذرا اس کے نیچے مغرب کی طرف دیکھئے ایک ستارہ خوب چمک رہا ہے۔ اس کا نام "دبران" ہے۔ آج کل چاند کی سڑک پر کے دوسرے چھ برج ہمارے سامنے ہیں ان میں سے ایک کا نام ثور ہے۔ اسی برج میں یہ ستارہ واقع ہے دبران کے سیدھے ہاتھ کو یعنی ٹھیک مغرب کی طرف ستاروں کا ایک گچھا ہے۔ اس گچھے کو ثریا

کہتے ہیں۔ یہ گچھا اردو کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اسی برج میں واقع ہے۔ اس لئے اس کو بھی خوب پہچان لیجئے۔

دُبران کے نیچے آسمان کا سب سے روشن گچھا یعنی برج ہے۔ اس کو جبار کہتے ہیں۔ اور برجوں میں تو ایک آدھ ستارہ روشن ہوتا ہے۔ باقی سب ہلکے ہوتے ہیں۔ لیکن اس برج کے بہت سے ستارے روشن ہیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی عورت نے اپنے موتیوں کا چندن ہار اوپر پھینک دیا ہے۔ اس میں دو ستارے تو اول درجے کے ہیں اور کتنے ہی ستارے دوسرے درجے کے ہیں۔ عورتیں بھی اسے خوب پہچانتی ہیں اور اسے کھٹولا کہتی ہیں۔ گاؤں والے اسے ہرنی ہرنا کہتے ہیں اس کی شکل اس طرح کی ہے۔



اول درجے کے دونوں ستارے ایک لکیر میں ہیں اوپر والے کا نام "ابط" ہے اور نیچے والے کا نام "رجل" ہے۔

اس کے مشرق میں آپ کے بائیں ہاتھ کو دو ستارے زیادہ روشن ہیں اوپر والے کا نام "شامی" ہے اور نیچے والے کا نام "یمانی" ہے

آج کل کا سب سے روشن ستارہ "یمانی" ہے۔ یہ نہ صرف آج کل کا سب سے روشن ستارہ ہے بلکہ گرمیوں اور جاڑوں کے سب ستاروں کو ملا کر سب سے زیادہ روشن ستارہ ہے اس کے مقابلے کا ایک ستارہ بھی نہیں ہے۔ یہ اس وقت آسمان کے بیچوں بیچ ٹھیک ہمارے سر پر ہے۔ اور ایسا چمک رہا ہے جیسے آسمان پر ہیرے کا ٹکڑا رکھا ہو۔

شامی کے ٹھیک اوپر یعنی شمال کو اور عیوق اور دُبران کے مشرق کو یعنی آپ کے بائیں ہاتھ کی جانب ایک اور روشن ستارہ ہے اس کا نام "توامین" ہے۔ یہ ستارہ "برج توامین" میں واقع ہے۔ اور یہ برج چاند کی سڑک پر پڑتا ہے، توامین کے بائیں کو یعنی مشرق میں ایک اور برج ہے جو چاند کی سڑک ہی پر پڑتا ہے اس کا نام "اسد" ہے

اس برج میں بھی ایک روشن ستارہ ہے۔ اسے بھی اشا ہی کہتے ہیں۔

اچھا اب آٹھ ستارے تو آپ نے پہچان لئے صرف دو باقی رہ گئے۔ دیکھئے۔ بالکل جنوبی آسمان کو دیکھئے۔ وہ سامنے دو ستارے جگمگا رہے ہیں۔ ٹھیک جنوب میں تو سہیل ہے۔ اس کا ذکر بھی اردو کتابوں میں بہت آیا ہے اور سہیل کے مغرب کی طرف یعنی آپ کے دائیں ہاتھ کو جو ستارہ ہے اس کا نام "نہر" ہے۔

بیچوں بیچ آسمان کے ستارے تو آپ کو ہر وقت دکھائی دیں گے۔ لیکن افق پر کے ستارے اکثر نہیں بھی دکھائی دیتے۔ جو ستارے آپ کو دکھائی نہ دیں۔ ان کے لئے یہ یاد رکھئے کہ مغربی افق کے ستارے ہمیشہ سر شام دیکھئے اور مشرقی افق کے سحر میں دیکھئے۔ پھر ضرور دکھائی دیں گے۔

اب ذرا نقشہ بند کرکے ایک مرتبہ پھر ان ستاروں کو دہرائیے اور دو تین دن تک برابر مشق کرتے رہیے۔ تاکہ پھر آپ کبھی نہ بھولیں۔

آج دس مہینے بعد یہ مضمون ختم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آپ نے اسے بہت پسند کیا ہوگا اور آپ کے لئے مفید بھی ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ

لطیفہ

لڑکا:۔ ابا! جب آپ بازار جائیں نا۔ تو ہمارے لئے ایک ننھی منھی سی ٹم ٹم ضرور لیتے آئیے گا۔
دیکھئے ابا بھولئے گا نہیں۔

باپ:۔ جی نہیں جناب۔ تم مجھے کام کرتے وقت پریشان کیا کروگے۔

لڑکا:۔ نہیں ابا میں ایسی شرارت نہیں کرونگا۔ جب آپ سو جائیں گے تو میں اس سے کھیلوں گا



شام کی کیفیت

(از حضرت بے نظیر صاحب وارثی مرحوم)

ستمبر کے پیام تعلیم میں "دن کی کیفیت" پر ایک نظم شائع ہو چکی ہے ہمیں یقین ہے کہ تم نے اسے بہت پسند کیا ہوگا۔ اور تم میں سے اکثر نے اسے زبانی یاد کر لیا ہوگا۔ آج ہم اسی سلسلے کی ایک اور دل چسپ نظم شائع کرتے ہیں یہ بھی شاہ صاحب مرحوم ہی نے لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے شام کی کیفیت دکھائی ہے۔ دن ڈھل چکا ہے۔ سورج چلتے چلتے دور نکل گیا ہے۔ بہت دور پہاڑوں میں چھپ رہا ہے۔ اور اس کی روشنی کچھ یوں ہی ذرا طہور باقی رہ گئی ہے جس سے کھجور کی سب سے اونچی شاخیں سنہری معلوم ہو رہی ہیں۔ کچھ ہلکی ہلکی شعاعوں کے نشان اونچے اونچے ٹیلوں پہ دکھائی دے رہے ہیں۔ لیجئے اب سورج نظر نہیں آتا۔ لوگ مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔ چرواہے اپنے ڈھور ڈنگر لوٹا کر لا رہے ہیں۔ مزدور بھی دن بھر کے تھکے ہارے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ پرندوں نے بھی اپنے اپنے گھونسلوں کا راستہ لیا ہے۔ اب شفق پھولنے لگی ہے اور تھوڑی سی بدلی جو آسمان کے کناروں پر دکھائی دیتی تھی۔ بالکل سرخ، نظر آ رہی ہے۔ ایسی جیسے سونے کا پتر۔ دن کی روشنی ختم ہو چکی ہے۔ اور اندھیرا چھا رہا ہے۔ آسمان پر ایک دو ستارے بھی ٹمٹمانے لگے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے گھروں اور دکانوں پر لیمپ اور چراغ جلانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ باغوں میں بھی اندھیرا سا ہونے لگا ہے غرض شام کے وقت ہر روز جو ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ہم اس کا خیال بھی نہیں کرتے۔ مگر شاعر کے دل پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے۔ اور وہ لفظوں میں اس کی ایسی اچھی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ اب تم اس نظم کو پڑھو۔ اور دیکھو کہ اس میں کوئی بات بھی ایسی ہے جو شاعر نے غلط کہی ہے۔ (ایڈیٹر)

بسیروں کو جانے لگے وہ طیور[۱] — اندھیرا بھی چھانے لگا دُور دُور
سنہری ہوئیں حوض کی چادریں — وہ اڑنے لگیں سر پہ چمگادڑیں
دُکانوں پہ وہ لیمپ جلنے لگے — ستارے بھی دو اک نکلنے لگے۔

۱ - طیور - طیر کی جمع - پرندہ

۲ سطح - ہر چیز کے اوپر کا حصہ

ڈھلا دن سنہری ہوئی سطح آب[1]
پہاڑوں میں چھپنے لگا آفتاب[2]

دکھاتے ہیں چوٹی وہ زریں[3] کھجور
گیا بھاگ کر سایہ تاڑوں کا دور

شعاعوں[4] کے ٹیلوں پہ ہیں کچھ نشاں
چلے گاؤں کو لے کے گلے شباں[5]

وہ مزدور سڑکوں سے آنے لگے
سرا کو مسافر بھی جانے لگے۔

کھنچا سرخ پردہ وہ افلاک[6] پر
نہیں آتا اب زرد سورج نظر

ہوا ہر طرف اک سکوت[7] آشکار[8]
ہوا کم ہوئی ٹھہری دریا کی دھار

جو تھوڑی سی آتی تھی بدلی نظر
وہ سونے کا بستر بنی سر بسر

ہوا جھٹ پٹا وقت بدلا سماں
لگا کھولنے جعد[9] شب[10] آسماں[11]

فلک روشنی دن کی کھونے لگا
اندھیرا سا باغوں میں ہونے لگا

درخت اپنے چہرے چھپانے لگے
بخارات[12] دریا پہ چھانے لگے۔

[1] سطح ۔ ہر چیز کے اوپر کا حصہ

[2] آفتاب ۔ سورج ۔

[3] زریں ۔ سنہرا ۔ سونے کا

[4] شعاعوں ۔ کرنیں

[5] شباں ۔ چرواہا ۔ گڈریا

[6] افلاک جمع فلک کی آسمان

[7] سکوت خاموشی [8] ۔ آشکار ۔ ظاہر

[9] جعد ۔ گھونگر والے بال [10] شب ۔ رات

[11] آسمان رات کے بال کھولنے لگا یعنی اندھیرا ہونے لگا

[12] بخارات ۔ جمع بخار ۔ بھاپ ۔ شام کے وقت ندی نالوں سے ایک قسم کی بھاپ یا دھواں نکلنے لگتا ہے ۔

ہوائی جہازوں کی دوڑ

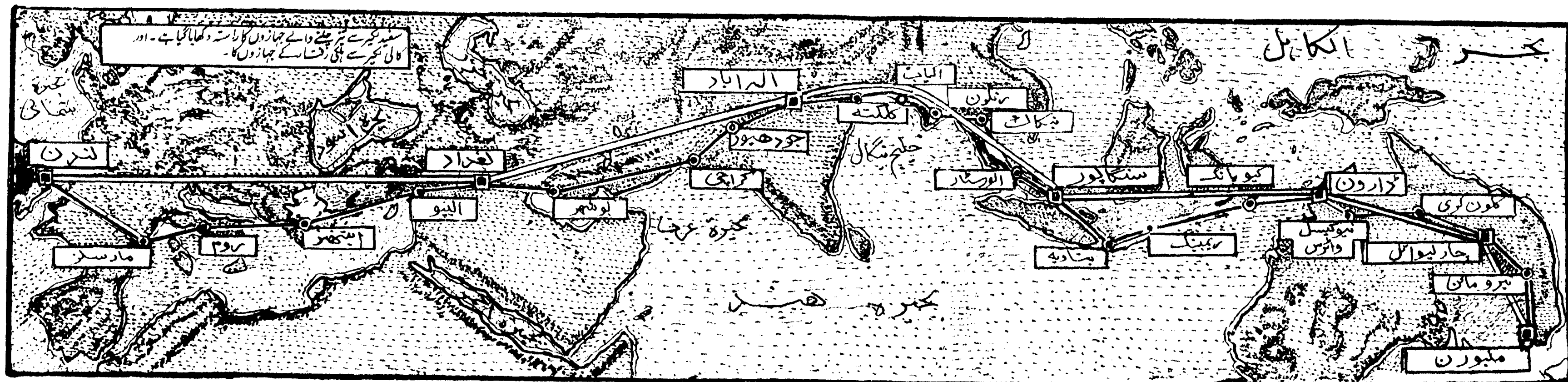
(از جناب سید صباح الدین صاحب ایم اے بی ٹی علیگ)

ہوائی جہاز کی ایجاد کو اس وقت تک کوئی تین سو سال سے اوپر گذر چکے ہیں۔ ہوائی جہازوں نے اس عرصے میں بڑی ترقی کی ہے خاص کر پچھلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک) میں انھوں نے جو ترقی کی ہے وہ سینکڑوں سال میں بھی نہیں کی تھی۔ اب بھی اس میں برابر ترقی ہو رہی ہے اس غرض کے لئے ان کی سالانہ نمائش یا وقتاً فوقتاً مقابلے اور دوڑ ہوتی رہتی ہے۔

اسی اکتوبر کے مہینے میں ہوائی جہازوں کی ایک نہایت ہی دلچسپ دوڑ ہونے والی ہے جس میں بہت سے ملکوں کے ساٹھ سے زیادہ ہوائی جہاز شریک ہوں گے۔ یہ دوڑ لندن سے ملبورن (آسٹریلیا) تک ہوگی۔ لندن سے ملبورن تک کا فاصلہ ۱۲ ہزار میل ہے۔

اس مقابلے میں دنیا کے تمام ملک شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ دوڑ دو قسم کی ہوگی۔ اسپیڈ اور ہینڈی کیپ۔ یہ دونوں انگریزی کے لفظ ہیں۔ اسپیڈ سے مراد تیز دوڑ ہے اور ہینڈی کیپ کا مقصد یہ ہے کہ جن ہوائی جہازوں یا جہاز چلانے والوں میں دوڑنے یا اُڑنے کی طاقت کم ہے اُن کے ساتھ رعایت کی جائے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ دلی سے متھرا تک دوڑ ہو رہی ہے اور تیز دوڑنے والے اور کم تیز دوڑنے والے جہاز اس میں شریک ہیں۔ تو اگر تیز دوڑنے والے جہاز کو تین گھنٹے دئے گئے ہیں تو کم تیز دوڑنے والے جہازو

ہوائی جہازوں کی دوڑ کا راستہ



کو ساڑھے تین گھنٹے دئے جائیں گے۔ اب اگر تیز جہاز تین گھنٹے میں اور کم تیز ساڑھے تین گھنٹے میں متھرا پہنچ گئے تو دونوں برابر سمجھے جائیں گے۔ اور اگر تیز جہاز ٹھیک تین گھنٹے اور کم تیز جہاز ساڑھے تین گھنٹے سے کچھ ہی پہلے پہنچ گیا تو کم تیز جہاز دوڑ میں جیت جائے گا

داخلوں کی تعداد چونسٹھ ۶۴ ہے جن میں دس پہلے قسم کی دوڑ (اسپیڈ) ستائیس، دوسرے قسم کی دوڑ میں اور ۲۷ دونوں دوڑوں میں شریک ہوں گے، نیچے لکھی ہوئی تعداد سے تمھیں پتہ چلے گا کہ کن ملک کے کتنے ہوائی جہاز اس مقابلے میں شریک ہوں گے۔

برطانیہ (۱۶) آسٹریلیا (۶) نیوزی لینڈ (۴) آئرلینڈ (۱)، ہندوستان (۱)، امریکہ (۱۷) فرانس (۷)، ہالینڈ (۵)، جرمنی (۱) اٹلی (۲)، سوئیڈن (۱)، ڈنمارک (۱) پرتگال (۱)، اسپین (۱) = کل تعداد (۶۴)

اب نیچے کی تعداد سے تمھیں پتہ چلے گا کہ کس قسم کی دوڑ میں کس ملک کے کتنے ہوائی جہاز شریک ہو رہے ہیں۔

اسپیڈ	ہینڈی کیپ	دونوں میں
امریکہ (۷)	انگلستان (۱۰)	انگلستان (۶)
ہالینڈ (۱)	آسٹریلیا (۱)	آسٹریلیا (۵)
فرانس (۱)	ہندوستان (۱)	نیوزی لینڈ (۱)
آئرلینڈ (۱)	نیوزی لینڈ (۳)	امریکہ (۹)
	امریکہ (۱)	فرانس (۵)
	فرانس (۱)	ہالینڈ (۱)
	ہالینڈ (۳)	اٹلی۔ (۲)

اسپیڈ	ہینڈی کیپ	دونوں میں
...	جرمنی (۱)	سوئیڈن (۱)
...	ڈنمارک (۱)	...
...	پرتگال (۱)	...
...	اسپین (۱)	...

اسپیڈ اور ہینڈی کیپ کا فرق پہلے ہم تمھیں بتا چکے ہیں۔ اس دوڑ میں اور ان دونوں قسم کی دوڑوں میں فرق یہ ہوگا کہ تیز دوڑ (اسپیڈ) کا جیتنے والا جہاز وہ ہوگا جو ملبورن میں ایک خاص جگہ کو پہلے پار کر جائے۔ دوسری دوڑ (ہنڈی کیپ) بھی اسی مقام تک ہوگی۔ اس میں کم تیز دوڑنے والے جہازوں میں سے ہر اک کو علیحدہ علیحدہ وقت کی تھوڑی رعایت دے دی جائے گی، جب یہ جہاز ملبورن پہنچیں گے تو ان کی دوڑنے یا اڑنے کی مدت میں وہ وقت گھٹا دیا جائے گا۔ جو انھیں دوڑ شروع ہونے سے پہلے دیا گیا تھا۔ اور اس طرح جس جہاز کا وقت سب سے کم آئے گا وہی جیتنے والا ہوگا۔

تیز دوڑ (اسپیڈ) کا پہلا انعام دس ہزار پونڈ اور ایک سونے کا کپ رکھا گیا ہے۔ دوسرا انعام پندرہ سو پونڈ ہے۔ کم تیز دوڑ (ہینڈی کیپ) کا پہلا انعام دو ہزار پونڈ اور دوسرا ایک ہزار پونڈ ہے علاوہ اس کے جو ہوائی جہاز اس دُور و دراز سفر کو ۱۶ دن میں طے کر لیں گے انھیں سونے کے تمغے دیئے جائیں گے۔ اور جو بدنصیب ۱۶ دن کے بعد پہنچیں گے انھیں کسی قسم کا انعام نہیں ملے گا۔

یہ دوڑ ۲۰ اکتوبر کو لندن سے شروع ہوگی۔ ہوئی جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لندن سے روانہ کئے جائیں گے اور اسی لحاظ سے اُن کے وقت کا اندازہ رکھا جائے گا۔ تمام جہازوں

کو ایک ہی وقت میں روانہ کرنا سخت خطرناک سمجھا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ روانہ ہوتے وقت یا راستے میں ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں

راستے میں بڑے بڑے انتظامات کئے گئے ہیں بہت سی ایسی جگہیں مقرر کی گئی ہیں جہاں پر تمام ہوائی جہازوں کا ٹھہرنا لازمی ہے اور وہ یہ ہیں:۔

بغداد، الہ آباد، سنگاپور، ڈارون، (شمالی آسٹریلیا)، شارلی ویل۔ (کوئنس لینڈ آسٹریلیا) ملبورن۔

ان کے علاوہ بہت جگہیں ایسی ہیں جہاں ہوائی جہاز اپنی خواہش کے مطابق ٹھہر سکتے ہیں۔ ان کے ٹھہرنے کے لئے تمام انتظامات کردئے گئے ہیں۔

ایک ہوائی جہاز میں ایک سے زیادہ آدمی جاسکتے ہیں۔ تعداد کی کوئی قید نہیں رکھی گئی ہے۔ ہر ممکن صورت سے تمام خطروں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً تمام ہوائی جہازوں کے لئے شارلی ویل میں ٹھہرنا لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ لوگ مقابلے کے جوش اور تیزی میں وسط آسٹریلیا کے ریگستانوں سے نہ گذرنے پائیں۔ ہر ہوائی جہاز کے ساتھ کھانے پینے کا سامان کم سے کم تین روز کے لئے ہونا چاہئے۔ لائف بیلٹ بھی ضروری ہے۔ جسے لگاکر چھتری کے ذریعے نیچے اترتے ہیں۔ دھوئیں کا سگنل بھی ضرور ہونا چاہئے جگہ جگہ ٹھہرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ جہاز چلانے والوں کا جہازوں کا اور ان کے سامان کا معائنہ کرلیا جائے اور پھر ان کو تمام خطروں سے محفوظ کرکے آگے بڑھنے دیا جائے۔ رات کے وقت بھی یہ لوگ راستہ طے کرسکتے ہیں۔ مگر اسی وقت جب کہ ان کے پاس رات کے سفر کا پورا سامان ہو سمندر میں جگہ جگہ حفاظت کے خیال سے جہاز چلا کریں گے۔ تاکہ کوئی جہاز چلانے والا اپنی مشین سمیت سمندر میں گر پڑے تو یہ جہاز مدد کے لئے فوراً پہنچ جائیں۔

دوڑ کے تمام انتظاموں میں چار ہزار پونڈ خرچ ہوں گے۔ اس کے علاوہ مقابلے میں ہر شریک ہونے والا اپنے خرچ کا خود ذمہ دار ہوگا

تیز دوڑ میں حصہ لینے کی فیس پچاس پونڈ اور کم دوڑ میں حصہ لینے کی دس اور دونوں میں شریک ہونے کی فیس پچاس پونڈ ہے۔ اگر مقابلے میں شریک ہونے والا ۱۶ دن میں پورا راستہ طے کرے تو یہ فیس واپس کردی جائے گی۔ ورنہ ضبط ہو جائے گی۔

ان ہوائی جہازوں میں پٹرول کا خرچ بہت زیادہ ہوگا۔ جہاز کی چھوٹی مشینوں میں ایک گھنٹے میں پانچ سے آٹھ گیلن تک خرچ ہوگا۔ بڑی مشینوں میں اس سے دس گنا زیادہ، ایک جہاز جس کی مشین گھنٹے میں تین سو میل کا سفر کرتی ہے۔ وہ یہ تمام سفر پچاس گھنٹے میں طے کرسکتی ہے مقابلے میں شریک ہونے والے امریکنوں کا خیال کہ ہر جہاز چلانے والے یا ہوا باز کا اپنا خرچ تیرہ سو پونڈ سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ آنے جانے میں ہزاروں روپیہ کا پٹرول اور تیل خرچ ہو جائے گا۔

کم تیز دوڑ کے سلسلہ میں تیل اور پٹرول لینے میں ہوائی جہازوں کا جو وقت خرچ ہوگا۔ اس کا خیال نہ کیا جائے گا بلکہ جتنا وقت بھی زیادہ خرچ ہوگا بعد میں اس کا حساب کرلیا جائے گا۔ لیکن تیز دوڑ میں شریک ہونے والوں کو تیل اور پٹرول لینے میں بڑی جلدی کرنی پڑے گی وہ جتنی دیر لگائیں گے اتنا ہی ان کے حق میں مضر ہوگا۔ کوئی جہاز چلانے والا یا ہوا باز اپنے ہوائی جہاز کے ساتھ کوئی زائد انجن نہیں رکھ سکتا ہاں اپنی ضرورت کے لئے دوسرے سامان لے جاسکتا ہے۔

مہینوں کی خط و کتابت کے بعد یہ دوڑ منعقد کی جارہی ہے اس کا انتظام دو کمیٹیوں کے سپرد ہے۔ ایک ملبورن میں ہے اور ایک لندن میں، ان دونوں کمیٹیوں کی نگرانی میں یہ مقابلہ انجام پائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا یہ پہلا اور نہایت زبردست، خطرناک اور بہادرانہ مقابلہ ہوگا جس میں بہت سے ملک حصہ لیں گے اور بہت سے ملک اسے بڑی دلچسپی اور تعجب سے دیکھیں گے

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ ان جگہوں میں جہاں تمام جہازوں کا ٹھہرنا ضروری ہے ایک الہ آباد بھی ہے۔ چنانچہ الہ آباد میں آج کل بڑے زور شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہر سے باہر بمرولی میں جہاں ہوائی جہازوں کا اسٹیشن ہے خیموں اور قناتوں کا ایک نیا شہر بن گیا ہے، بجلی لگ گئی ہے ڈاک خانہ اور تارگھر بن گئے ہیں عہدہ داروں اور ہوابازوں کے لئے عارضی عمارتیں بن رہی ہیں۔ بجلی کے ذریعے پٹرول بھرنے کا پمپ لگا دیا گیا ہے۔ تماشائیوں کو اس دلچسپی میں حصہ لینے کی عام اجازت ہوگی۔ ہوابازوں کے آنے جانے کا وقت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے بتایا جائے گا تیز دوڑ میں حصہ لینے والے ہوائی جہاز غالباً ۱۶ اکتوبر کو صبح سے شام تک کسی وقت الہ آباد پہنچ سکیں گے خدا نے چاہا تو کسی اگلے پرچے میں ہم اس دوڑ کا اور بھی حال لکھیں گے اس لئے کہ اس وقت یہ دوڑ ہو چکی ہوگی



(از ریحانی ہیتھوڈسٹ بوائز ہائی اسکول حیدر آباد)

او میاں مٹھو؟ تمہاری گفتگو میٹھی ہے کیا ☆ سامنے جسکے مٹھائی میں نہیں کچھ بھی مزا
بس یہی آتا ہے جی میں رات دن سنتا رہوں ☆ اپنے سر کو تیری اک اک بات پر دھنتا رہوں
ایک سے کہنا ترا "تشریف رکھئے، آیئے" ☆ دوسرے سے پوچھنا "کیا حکم ہے؟ فرمایئے"
جو پڑھایا جاتا ہے وہ یاد کر لیتا ہے تو ☆ سامنے سب کے سبق اپنا سنا دیتا ہے تو
ہے "نبی جی بھیجو" کی آواز میں ایسا اثر ☆ بے جگائے دم میں جاگ اٹھتا ہے فوراً گھر کا گھر
پڑھ رہا ہے پنجرے میں بیٹھا جو تو اس شان سے ☆ ہے مجھے معلوم یہ سیکھا ہے دادی جان سے
ہم بھی پڑھنے سے نہ اپنا جی چرائیں گے کبھی ☆ جو سبق بھولا ہوا ہے یاد کرتے ہیں ابھی

اِمتحان

از نظام الدین صاحب مدرسہ وسطانیہ یادگیر

امتحان کے بارے میں بہت دنوں سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر موقع نہیں ملتا تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے مضمون نگار جناب ابوطاہر داؤد صاحب نے مقابلے کا اعلان کرکے اِس کا موقع پیدا کر دیا۔

ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہاں اپنے بڑوں سے ہم نے سنا ہے کہ امتحانوں کا یہ طریقہ کوئی پرانا طریقہ نہیں بلکہ یہ اس وقت سے جاری ہوا ہے جس وقت سے انگریزوں نے ہم بچوں اور بڑوں کے لیے پڑھنے لکھنے کے لئے یہ مدرسے اور اسکول کھولے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں۔ پیام تعلیم پڑھنے والے بھائیوں کی امتحان کے بارے میں کیا رائے ہے میں تو اسے ہر حیثیت سے بے کار اور "مضر"[1] سمجھتا ہوں۔ مگر جناب! اگر آپ میری رائے سے موافقت بھی کریں تو کیا فائدہ ہمارے بزرگ ہماری باتوں کو کب دھیان میں لاتے ہیں اور اگر ہم کہیں کہہ بیٹھیں کہ امتحان کا یہ طریقہ بالکل اڑا دیا جائے تو اسی دن سے ہم بدشوق مشہور ہو جائیں گے۔ مگر آئیے ذرا آج امتحانوں کے برے نتیجوں کو ان بزرگوں کے سامنے پیش تو کریں دیکھیں ان پر کیا اثر ہوتا ہے۔

سب سے پہلا اور اہم سوال تو تندرستی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کون سی نعمت ہو سکتی ہے۔ لیکن تندرستی مدرسہ کے طالب علموں کے پاس نہیں ملے گی۔ مدرسے سے باہر شاید ملے۔ یہ تندرستی اور صحت جو ہم طالب علموں نے کھوئی ہے۔ وہ سب امتحان کی بدولت،

[1] مضرت یعنی نقصان پہنچانے والا۔

طالب علم محنت کرکے دل و دماغ بے کار کر دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں اگر پاس ہوئے اور ترقی بھی ملی تو کیا فائدہ، تاہم چونکہ کامیابی حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا محنت ٹھکانے لگ جاتی ہے لیکن ذرا اس ناکام طالب علم کی حالت پر غور کیجئے جس نے تمام سال رات اور دن مشقت کرکے امتحان کی تیاری کی اور جب امتحان دیا تو اتفاق سے کسی مضمون میں نمبر کم آئے۔ جناب وہ بے چارا تو دونوں دین سے گیا۔

اور سنئے بعض مدرس تو لڑکے کو اس لئے فیل کر دیتے ہیں کہ اس کا خط صاف نہیں ہے میں اپنا تجربہ لکھتا ہوں۔ کہ میرے نمبر اردو میں خط کے خراب ہونے سے کم آئے۔ حالانکہ میں درجے میں اول تھا۔

جب طالب علم فیل ہو گیا۔ اپنی نالائقی کی وجہ سے یا مدرس کی غلطی کی وجہ سے۔ تو جو اسے افسوس ہوا۔ وہ تو ظاہر ہے۔ اور بے چارے سرپرست تو لٹ گئے۔ میں نے اپنے چچا جان کی زبانی ایک سچی خبر سنی ہے جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ایک لڑکے نے فیل ہونے کی خبر سن کر خودکشی کرلی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ طالب علم پاس تھا۔ ہوا یہ کہ ممتحن صاحب نشہ باز تھے۔ انھوں نے نشہ کی حالت میں اس طالب علم اور خدا معلوم کتنے طالب علموں کے گلے کاٹے خیر آپ کہیں گے کہ ایسا واقعہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہ اتفاق تھا، ٹھیک ہے۔ میں بھی متفق ہوں۔ لیکن میرا تو سوال یہ ہے کہ امتحان ہی کے سبب سے تو یہ سب قصہ پیش آیا۔ پرانے زمانے میں جب امتحان کا دستور نہیں تھا۔ تو لوگ کیسے قابل ہوتے تھے۔ بہت سے عالم اور علّامہ جنھوں نے بہت سی اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ کیا ہماری طرح بنچوں پر بیٹھ کر امتحان دیتے تھے۔ پرانے زمانے میں عمریں بڑی تھیں۔ صحت اور تندرستی اچھی ہوتی تھی۔ کھانا خوب ہضم ہوتا تھا۔ آج دیکھو جتنے پڑھے لکھے۔ بی اے، ایم اے ملیں گے ان کی صحت خراب ہوگی، وہ ڈاکٹروں طبیبوں کے احسان مند ہوں گے۔ ان کی آنکھوں کی روشنی کم ہوگی۔ اور عینک لگائے ہوں گے پرانے زمانے

ہیں جب امتحان کا رواج نہ تھا تو کب کوئی نوجوان آنکھوں پر یہ پتھر کی سلیں چڑھاتا تھا۔ آج کل کے طالب علم امتحان کے زمانے میں رات رات بھر جاگتے اور محنت کرتے ہیں۔ آخر کار آنکھیں کم زور ہو جاتی ہیں اور مجبوراً عینک لگانا پڑتی ہے، دور کیوں جائیے۔ ہمارے ایک بھائی صاحب عینک لگاتے ہیں۔ ان کے والد صاحب جو عالم، حافظ قرآن ہیں۔ چاندنی رات میں بلا تکلف کتاب پڑھتے ہیں۔ بھائی صاحب کو پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی جان آپ عینک کیوں لگاتے ہیں؟ آپ کے ابو جان عینک وینک کچھ نہیں لگاتے تو ایک آہ سرد بھر کر کہنے لگے کہ "میاں بچے تم کیا جانو، یہ امتحانوں کا نتیجہ ہے۔ ہم نے لالٹین کے سامنے ۲، ۲ بجے رات تک بیٹھ کر کتابیں پڑھی ہیں۔ آنکھوں کی روشنی خراب ہو گئی ہے۔ بغیر اس کے کامیابی مشکل تھی۔ یہ تو حال ہے طالب علموں کا، اب ذرا ان نصاب بنانے والوں کی بھی ملاحظہ کیجئے۔ انھیں اس سے غرض نہیں کہ طالب علم ذہین ہے یا کند ذہن۔ سب کو وہی نصاب پڑھایا جائے گا۔ اور سب پرچے ایک ہی ہوں گے۔ مدت تعلیم کی ایک سال، ایک درجے کی ضروری ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ جب پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں تو سب کو ایک ہی لاٹھی سے کیوں ہانکا جائے۔ مثلاً ایک حکیم کو دیکھئے۔ وہ مریضوں کے مزاج اور مرض کے مطابق دوائیں الگ الگ دیتا ہے کسی کو گرم دوا فائدہ کرتی ہے۔ کسی کو سرد۔ اگر سب کے لیے ایک ہی دوا تجویز کریں تو ظاہر ہے کہ سب مریضوں کو نفع کیسے ہوگا۔

ایک اور بات آج کل کے مدرسوں کے امتحانات کی بابت یہ بھی ہے کہ جتنا بڑے درجے میں جائیے۔ اتنا ہی نہ صرف کتابیں بڑھیں گی بلکہ نئے نئے مضمون بڑھتے چلے جائیں گے اور طالب علم خواہ اس کی طبیعت کا رجحان اس طرف ہو یا نہ ہو۔ اور اُسے کوئی مضمون پسند آئے یا نہ آئے۔ مجبوراً سب کو پڑھ کر امتحان پاس کرنا پڑے گا۔ پھر لطف یہ کہ امتحان ختم ہونے

کے بعد دماغ سے سب کچھ نکل جاتا ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ بی اے پاس حضرات جنھوں نے دس برس پہلے انٹرنس کا امتحان دیا تھا اگر آج پھر انٹرنس کا امتحان دینے بیٹھیں تو بری طرح فیل ہوں گے۔ تو معلوم ہوا کہ آج کل کی تعلیم امتحان کے لئے ہوتی ہے نہ کہ علم حاصل کرنے کے لئے۔ اور امتحان بھی صرف وقتی کامیابی کے لئے ہوتا ہے۔ جب امتحان ہو چکا تو قابلیت برائے نام رہ جاتی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ آخر کون سی صورت اختیار کی جائے کہ علم بھی آ جائے اور ڈگریاں بھی مل جائیں تو میرے خیال میں یہ بات بغیر امتحان کے بھی ممکن ہے۔ اور اس طرح کہ ایک شخص کا تمام سال بھر کا کام مدرسہ کی حاضری اور

اور خود اس کی محنت اور علمی قابلیت کی بنا پر ترقی دے دی جائے اور جو نصاب کہ مقرر ہو چکا ہے اسے پورا کرنے میں اگر کوئی دیر کرے تو جس وقت اسے پورا کرے اسی وقت ترقی دے دی جائے اس سے یہ ہوگا کہ ہر شخص جس قدر جلد نصاب کو پورا کرے گا اتنی ہی جلد اس کو ڈگری مل جائے گی آج کل دنیا میں یہ دستور ہے کہ کسی اہم معاملے کے لئے کمیٹی بنائی جاتی ہے اور سب سے رائے لی جاتی ہے اگر اس اہم معاملے کے لئے سب طالب علموں کی رائے لی جائے تو زیادہ رائیں اسی کی ملیں گی کہ امتحان نہ ہوا کرے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ موجودہ امتحان سے جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں وہ اسی وقت دور ہو سکتی ہیں جب کہ یہ بالکل اڑا دیا جائے۔

لطیفہ

چھوٹی لڑکی :- یہ مرغی کے بچے شور کیوں مچا رہے ہیں ؟

ماں :- بھوکے ہیں کچھ کھانے کو مانگ رہے ہیں۔ بیٹی

چھوٹی لڑکی :- (بھولے پن سے) ارے یہ اپنے لئے آپ ہی انڈے کیوں نہیں دے دیتے۔ اماں

ہوا کے کرشمے

(جناب ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری ایڈیٹر ترجمان)

ایک روز کا ذکر ہے، صحن میں خالی بوتلیں پڑی ہوئی تھیں، دھوپ تیز تھی، یکایک تڑاق سے ایک بوتل بولی اور اس کی کارک دور جا پڑی،

آج اتوار کی چھٹی تھی پروفیسر ہاشمی گھر ہی تھے، جعفر بھی ان کے پاس بیٹھا تھا، وہ چونک پڑا، پروفیسر ہاشمی نے ہنس کر کہا۔ ڈر گئے کیا جعفر! بوتل تو بولی ہے، دیکھو، اسکی کارک وہ پڑی ہے، جعفر نے حیرانی کے ساتھ کہا۔ یہ کیا بات ہے ابا! بوتلیں تو خالی پڑی تھیں، یہ کیا چیز بارود کی طرح چھوٹی، اور اس زور کی آواز ہوئی؟

پروفیسر۔ بوتلیں خالی کیسے تھیں جعفر! کیا ان میں ہوا نہ تھی؟

جعفر۔ ہوا تو ضرور تھی، کیونکہ آپ نے سمجھا دیا ہے کہ جو پولی جگہ ہوگی اس میں ہوا ضرور ہوگی، اس لئے بوتل میں ہوا تو ضرور تھی، لیکن بارود کی طرح کیا چیز چھوٹی؟ میں یہ پوچھ رہا ہوں،

پروفیسر۔ وہی ہوا!

جعفر۔ کیا ہوا بھی بارود کی طرح چھوٹتی اور بولتی ہے؟

پروفیسر۔ اسے تو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سُن لیا، البتہ اسکی وجہ سمجھنی چاہو تو سمجھاؤں؟

جعفر۔ ضرور سمجھائیے،

پروفیسر۔ واقعہ یہ ہے کہ ہوا کے بارے میں تمہیں بہت سی باتیں معلوم ہو چکی ہیں، آج یہی سمجھانے کے لئے تو میں نے دھوپ میں بوتلیں رکھ دی تھیں، اچھا سنو، ہوا میں جہاں اور بہت سی باتیں ہیں ایک بات

یہ بھی ہے کہ وہ گرم ہوا پھیلتی ہے،

جعفر۔ یہ بات مجھے آج معلوم ہورہی ہے،

پروفیسر۔ خیر سنو، جسوقت بوتل میں کارک لگائی گئی بوتل میں اتنی ہوا موجود تھی جتنی کہ اس میں گنجائش تھی اب جو گرم ہوکر پھیلی تو نہ بوتل اس کے ساتھ پھیل سکتی ہے اور نہ ہوا اس میں گنجائش سے زیادہ رہ سکتی ہے اس لئے اس نے باہر نکلنے کے لئے زور مارا۔ اگر کارک میں ہوا نکلنے کی ذرا بھی جگہ ہوتی یا کارک کچھ بھی ڈھیلی ہوتی تو ہوا آسانی سے نکل جاتی، لیکن ان دونوں باتوں کے نہ ہونے سے ہوا نے نکلنے کے لئے زور مارا اس لئے یہ آواز ہوئی اور کارک نکل کر دور جا پڑی،

جعفر۔ اب آئیں میری سمجھ میں تمام باتیں،

پروفیسر۔ اب ایک کھیل کے ذریعہ میں تمہیں اور اچھی طرح سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہوا گرم ہوکر کس طرح پھیلتی ہے،

جعفر۔ بہتر ہے، سمجھائیے،

پروفیسر۔ ایک گلاس اور ایک لوہے کا بکس اٹھا لاؤ، اور موم بتی اور دیا سلائی بھی لیتے آنا۔

جعفر گیا اور سب چیزیں اٹھا لایا، پروفیسر نے بکس کے نیچے ایک کنارے کی طرف ایک کتاب رکھدی جس سے دوسری طرف بکس ڈھلوان ہوگیا، اس کے بعد گلاس کے منہ کے کنارے کو پانی سے تر کرکے گلاس کو بکس پر الٹا اوندھا دیا، اور موم بتی جلا کر گلاس کے پیندے کو گرم کرنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گلاس خود بخود اپنی جگہ سے کھسکنے لگا،

جعفر بے اختیار ہوکر پکار اٹھا۔ ابا! یہ دیکھئے گلاس آپ سے آپ کھسکا جارہا ہے، جیسے کسی نے اس پر جادو کردیا ہو،

پروفیسر۔ اس کی وجہ سمجھ میں آئی؟

جعفر۔ جی نہیں، مجھے تو جادو کا کھیل سا معلوم ہورہا ہے،

پروفیسر - گلاس کے گرم ہونے سے اس کے اندر کی ہوا گرم ہو کر پھیل گئی اور ساتھ ہی اس کا دباؤ بھی بڑھ گیا جس کی وجہ سے ہوا نے گلاس کا بوجھ اٹھا لیا، میں نے گلاس کے کناروں کو پانی سے تر کر دیا تھا اسلئے گلاس اور بکس کے درمیان پانی کی تہ موجود تھی، اس وجہ سے ہوا باہر نہ نکل سکی اور اس نے زور کیا تو چکنے بکس پر ڈھال کی طرف گلاس کھسلنے لگا،

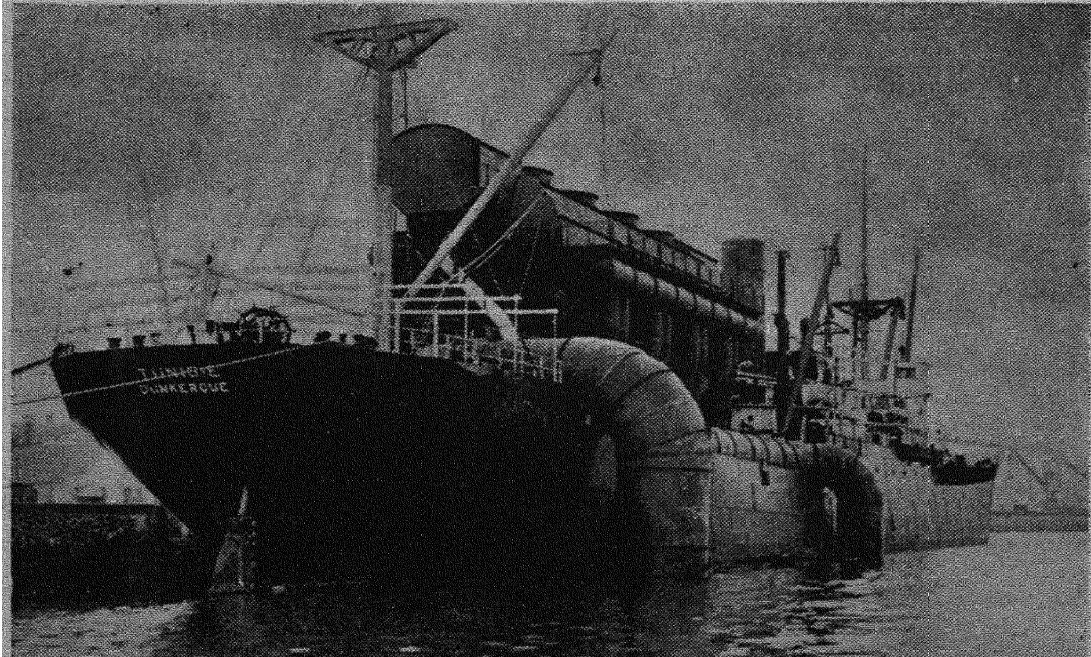
جعفر - اب میں خوب اچھی طرح سمجھ گیا کہ ہوا گرم ہو کر پھیلتی ہے۔

پروفیسر - ہوا کی اسی خاصیت کی وجہ سے لیمپ کے ولایتی پنکھے چلتے ہیں، پنکھے کے دھرے کے پاس ایک لمبا سا گول ڈبہ ہوتا ہے جس کے اندر پچکاری کی طرح ایک کھسلنے والی ڈاٹ لگی رہتی ہے، جب لیمپ سے ڈبے کی ہوا گرم ہوتی ہے تو وہ پھیل کر ڈاٹ کو اوپر کھسکا دیتی ہے، ڈاٹ کا تعلق پنکھے کے چکر سے ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے ساتھ چکر کو گھماتا ہوا اوپر لے جاتا ہے، وہاں آگے بڑھنے کا راستہ نہ پا کر چکر دوسری طرف گھومتا ہوا جھک پڑتا ہے، اسی کے ساتھ ڈاٹ بھی نیچے کھسک آتی ہے، مگر ہوا کا دباؤ اُسے پھر اوپر اُٹھا دیتا ہے، بس اسی طرح برابر پنکھا چلتا رہتا ہے ؎



ھمارے ملک ھندوستان سے ملا ھوا ایک اور ملک ھے افغانستان پچھلے
بادشاہ غازی امان‌الله کے زمانے سے بہت ترقي کررھا ھے - وہ کابل شہر
کے پاس ھي دارالاماں کے نام سے ایک شہر بساناچاھتے تھے یہ اُسی کی
سڑک کا ایک بہت خوب صورت منظر ھے

Calcutta Art Press, Delhi.



تم تو اسے سمندر کا جہاز سمجھتے ہو گے اور ہے بھی ایسا ہی مگر تم جانو ترقی کا زمانہ ہے اور سائنس نے تو اس زمانے میں اور بھی ترقی کرلی ہے ۔ فرانس کا ایک عالم کوشش کررہا ہے کہ سمندر کے پانی سے برف بنائے ۔ اُس نے برف بنانے کی تمام کلیں جہاز پر لگادی ہیں ۔ سامنے تمہیں بڑے بڑے پائپ نظر آتے ہوں گے ان میں سے ایک تو اتنا لمبا ہے کہ دوہزار دو سو تیس فٹ گہرا پانی میں چلا گیا ہے غرض یہ جہاز کیا ہے گویا برف بنانے کا پورا کارخانہ ہے ۔

پپیہا

از جناب پارس ناتھ صاحب سنہا ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز

ترجمہ

از محمد اسمٰعیل خان معلم جامعہ ملیہ دہلی



پپیہے کا نام اور اس کے گانے کی تعریف تو تم نے ضرور سنی ہوگی۔ مگر کبھی اُسے دیکھا بھی ہے۔ شکل وصورت میں یہ شکرے سے ملتا جلتا ہے۔ اگر تم نے شکرے کو دیکھا ہے تو اسے ضرور پہچان لوگے اس کی آنکھوں اور پروں کا رنگ زرد اور باقی حصے کا بادامی ہوتا ہے۔ کچھ پر سفید بھی ہوتے ہیں اس کی لمبائی ایک فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چونچ اور پر کوئل سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ نر اور مادہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا دونوں ایک سے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ پرندہ سندھ، پنجاب اور آسام میں دکھائی نہیں دیتا۔ سنتے ہیں کہ بمبئی کے علاقے میں بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ بس بیکانیر سے لے کر ڈھاکہ تک جو علاقہ ہے اس میں پایا جاتا ہے۔ مدراس میں بھی ملتا ہی مگر مشکل سے۔

اسے پتوں کی آڑ میں چھپ کر رہنا بہت پسند ہے۔ جن علاقوں میں یہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ وہاں بھی یہ چھپ کر ہی رہتا ہے اس کی اس شرمیلے پن کی عادت کی وجہ سے ہم اسے بہت کم دیکھ پاتے ہیں۔ مگر آواز ایسی رسیلی اور درد بھری پائی ہے کہ لاکھ پردے میں ہو جہاں اس نے پی پی یا "پی کہاں" کی رٹ لگائی اور سب کو معلوم ہوگیا۔ کہ وہ پپیہا بول رہا ہے رات کے وقت جب یہ بولنا شروع کرتے ہیں

تو بس ایک لڑی سی بندھ جاتی ہے۔ ایک کی آواز کان میں پڑتے ہی سب آواز میں آواز ملانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور دور دور کے پپیہے اس کورس میں شریک ہو جاتے ہیں اور بڑے ہی جوش و خروش سے بولتے ہیں لیکن اگر بیچ کے پپیہے کو کسی طرح چپ کر دیا جائے تو لڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا جاتی ہے۔ انگریزوں کو اس کی بولی بہت بُری معلوم ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ دیر تک اس کی آواز سننے سے اتنا ہی نہیں کہ نیند نہیں آتی بلکہ کبھی کبھی تو دماغ خراب ہونے کی نوبت آجاتی ہے۔ مگر اس ملک کے رہنے والوں کو اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوتی اس کے بولنے کا خاص زمانہ جنوری سے جون تک ہے۔ بہار کے علاقے میں یہ گرمی کے موسم میں بھی بڑے زور سے بولتا ہے۔ کبھی کبھی دسمبر میں بھی "پی کہاں" کی رٹ لگانے لگتا ہے۔ کلکتہ میں اس کے بولنے کا موسم برسات ہے۔ ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور وہ یہ کہ یہ دن رات بولتا ہی رہتا ہے تو پھر سوتا کس وقت ہے۔ ذرا آپ اس کا پتہ تو چلائیے۔

اس کے گھونسلے کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے۔ کوئل کی طرح اسے بھی اتنی فرصت کہاں کہ اپنا گھونسلا بنانے کی فکر کرے۔ انڈے دے کر مادہ انھیں سُت بھیا کے گھونسلے میں رکھ آتی ہے۔ اور باقی کام سُت بھیا خوشی خوشی انجام دے لیتا ہے پپیہے کے انڈے نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ اور سُت بھیے کے بھی اسی رنگ کے ہوتے ہیں۔ لیکن پپیہے کو کوئل کی طرح چال چلنے کی تکلیف نہیں اُٹھانا پڑتی۔ ایک تو سُت بھیا، بہت سیدھا سادھا پرندہ ہے دوسرے پپیہے کو شاید وہ شکرا سمجھ کر بری طرح ڈر جاتا ہے اور پپیہا اطمینان سے اپنے انڈے رکھ دیتا ہے۔ یہ مضمون ستمبر کے مہینے میں لکھا جا رہا ہے۔ ان دنوں کتنے ہی سُت بھیے پپیہے کے بچوں کو اپنے ساتھ لئے اِدھر اُدھر پھرتے ہیں۔ شکل صورت میں سُت بھیے اپنے

ماں باپ سے اتنے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی سُست بھیّے انھیں اپنی اولاد ہی سمجھتے ہیں۔

پپیہے کی ایک قسم



اور ہی یہ بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ سر پر کلغی اور پر کا سارا حصہ یہاں تک کہ کلغی بھی بالکل کالی نیچے کا کچھ حصہ سفید اور دم کے آخری سرے پر بھی کچھ پر سفید ہوتے ہیں یہ صرف شمالی ہند میں وہ بھی برسات میں پایا جاتا ہے اس کے بعد دکن کی طرف چل دیتا ہے۔ جوں ہی برسات شروع ہوئی انھیں یہ خوب صورت پرندہ نظر آنے لگے گا۔ اور اس کی پیاری پیاری آواز بھی سنائی دے گی۔

اردو اور ہندی زبانوں کے شاعروں نے اس کی بڑی ہی تعریف کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ پپیہا بارش کے موسم میں برسے ہوئے پانی سے پیاس بجھاتا ہے اور جب تک مینہ نہ برسے اس وقت تک پانی کا ایک قطرہ حلق میں ڈالتا۔ مگر بھائی یہ تو صرف شاعروں کی باتیں ہیں ورنہ یہ بھی کوئی سمجھ میں آنے کی بات ہے۔

لطیفہ

"میاں گوالے آج تو تمھارا دودھ پانی ہی پانی معلوم ہوتا ہے"

گوالا:- کیا بتاؤں بابو جی۔ ساری رات مینہ برستا رہا۔ اور گائے رات بھر پانی میں بھیگتی رہی۔ شاید اس کا اثر ہو۔

خط کتابت

آپ میں سے بہت سے بھائیوں نے اپنے کسی رشتہ دار یا دوست کو خط تو ضرور بھیجا ہوگا اور یہ کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں اس لئے کہ لوگ روزمرہ ایک دوسرے کو خط بھیجتے ہی رہتے ہیں۔ مگر یہ ہے بہت اچھی چیز لوگ تو خط کتابت کو آدھی ملاقات کہتے ہیں اور صحیح بھی ہے اس لئے کہ اسی کے ذریعے لوگ اپنے رشتہ داروں پڑوسیوں اور دوستوں کی خیریت اور دوسری ضروری باتوں سے خبردار رہتے ہیں۔ کس قدر خوشی کی بات ہے کہ گھر بیٹھے ہم دور دراز شہروں میں رہنے والے عزیزوں کی خیریت معلوم کر لیتے ہیں اور دور دور کے ملکوں کے حالات کی ہمیں خبر رہتی ہے۔

خط پر جو ٹکٹ لگایا جاتا ہے وہ اس کے پہنچنے کا کرایہ ہوتا ہے جو گویا اس طریقہ سے ادا ہو جاتا ہے۔ اس سے ڈاک خانے والوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ خط ڈالنے والے نے کرایہ ادا کر دیا۔

اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ خط ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ کیوں کر جاتا ہے۔ سنئے ہم ہی آپ کو بتاتے ہیں۔ شہروں میں جگہ جگہ سرخ رنگ کے ڈبے گڑے ہوتے ہیں۔ انہیں لیٹر بکس کہتے ہیں آپ اور ہم سب خط لکھ کر انہیں ڈبوں میں ڈالتے ہیں۔ لیٹر بکس میں خط ڈالنے کے بعد گویا ہمارا کام تو ختم ہو گیا اور ہم بالکل بے فکر ہو گئے۔

اس لیٹر بکس میں سے خط نکالنے کیلئے ڈاک خانے کی طرف سے ایک شخص مقرر ہوتا ہے۔ وہ وقت پر آ کر یہ تمام خط یا چٹھیاں نکال لے جاتا اور شہر کے بڑے ڈاک خانے میں پہنچا آتا ہے۔

وہاں ایک اور شخص مقرر ہوتا ہے جو تمام خطوط

پر اس ڈاک خانے کی مہر لگاتا ہے۔ مہریں لگنے کے بعد یہ تھیلے میں بند کر کے اسٹیشن پہنچا دئے جاتے ہیں۔ اور اسٹیشن سے ریل میں، ریل میں بھی آدمی مقرر ہوتے ہیں جو انہیں نام بنام الگ الگ شہروں کے تھیلوں میں ڈالتے جاتے ہیں مثلاً لاہور جانے والے خط کو لاہور کے تھیلے میں اور امرتسر جانے والے خط کو امرتسر کے تھیلے میں۔ جب کسی شہر کا اسٹیشن آجاتا ہے تو اس شہر کا تھیلہ دے دیا جاتا ہے اب یہ تھیلہ شہر کے سب سے بڑے ڈاک خانے میں آتا ہے۔ وہاں خطوں پر پھر مہر لگائی جاتی ہے اور اس کے بعد یہ اُن لوگوں کو تقسیم کر دئے جاتے ہیں جو وہاں موجود رہتے ہیں تاکہ جس جس محلے اور جن جن لوگوں کے یہ خط ہیں اُن میں تقسیم کر دیں یہی لوگ ڈاکئے اور چٹھی رساں کہلاتے ہیں۔

اس طرح بے چارا خط بہت سے لوگوں کے ہاتھ سے نکلتا ہوا آپ تک پہنچ پاتا ہے۔ اور خط ہی پر کیا منحصر ہے پارسل، منی آرڈر وغیرہ سب چیزیں اسی طرح جاتی ہیں۔ اور ڈاک خانے والے بڑی احتیاط سے انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں۔

ہندوستان میں آپ چاہے کہیں خط بھیجئے آپ کو کارڈ کے تین پیسے اور لفافے کا ایک آنہ دینا پڑے گا ہاں اگر لفافے کا وزن زیادہ ہے تو جتنا وزن زیادہ ہوگا اتنے ہی کے ٹکٹ اور لگانا پڑیں گے۔ اگر ہندوستان سے باہر آپ اپنے دوست یا عزیز کو خط بھیجنا چاہیں تو آپ کو زیادہ دام دینے پڑیں گے۔

ایک بات آپ کو ہم اور بتا دیں اگر آپ اڈیٹر صاحب کو اپنا مضمون بھیجیں تو بجائے پانچ پیسے کے دو پیسے کے ٹکٹ میں بھیج سکتے ہیں۔ بس لفافہ پر اتنا لکھ دیجئے "چھپنے کے لئے" مضمون کے ساتھ آپ کا کوئی خط وغیرہ بھی نہ ہونا چاہئے ورنہ لفافہ بیرنگ ہو جائے گا اور اڈیٹر صاحب کو دام دینے پڑیں گے اور اگر انہوں نے واپس کر دیا تو آپ کو مفت کا جُرمانہ بھرنا پڑے گا۔ فقط

پڑھنے کی کتابیں

بچوں کی نظمیں

(از جناب سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ)

شاعری بڑی اچھی چیز ہے ہر ایک بوڑھے بچے جوان کو اس سے دلی لگاؤ ہوتا ہی خاص کر بچوں کو تو نثر کے مقابلے میں نظم میں زیادہ مزا آتا ہے۔ افسوس ہے کہ اردو زبان کے شاعروں نے بچوں کے لئے شعر بہت کم لکھے اور جو کچھ لکھے بھی تو وہ تتر بتر ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہیں۔ سوائے دو ایک مجموعوں کے کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے جن میں ان شعروں کو جمع کر دیا گیا ہو۔ ہمارے مکرم جناب سعید انصاری صاحب نے یہ بہت اچھا کام کیا ہی کہ اردو کے اچھے اچھے شاعروں کی مزے مزے کی نظمیں جمع کر دی ہیں۔ یہ نظمیں مختلف عنوان پر ہیں۔ مثلاً ایک بچے کی دعا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم، چاند، تاروں بھری رات، تتلی، بکری، سردی، برسات، پھولوں کی کیاری وغیرہ۔ جن شاعروں کی نظمیں اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں۔ ان میں ڈاکٹر اقبال، چکبست، مخدوم عالم مارہروی، حفیظ جالندھری، حامد اللہ افسر اور ناظم انصاری بہت مشہور ہیں نظمیں ویسے تو سب ہی بہت اچھی ہیں مگر بعض تو اس قابل ہیں کہ تم انھیں زبانی یاد کر لو۔ سعید انصاری صاحب نے یہ کام اور بھی اچھا کیا ہی کہ ان نظموں میں جو مشکل لفظ آئے ہیں۔ ان کے معنی کتاب کے آخر میں لکھدئے ہیں۔ کتاب کی لکھائی، چھپائی اور کاغذ بھی بہت اچھا ہی۔ سنا ہے کہ سعید صاحب نے بچوں کے لئے اور اچھے اچھے شاعروں مولانا حالی مولانا اسمٰعیل، نظر اکبر آبادی وغیرہ کی نظمیں جمع کی ہیں اور "**مکتبہ جامعہ**" کی طرف سے بہت جلد چھپنے والی ہیں۔ اس کتاب کی **قیمت** ۵ر ہے اور "مکتبہ جامعہ" کے پتہ سے ملتی ہے۔

زرداد

(از جناب حکیم احمد شجاع صاحب۔ بی اے علیگ)

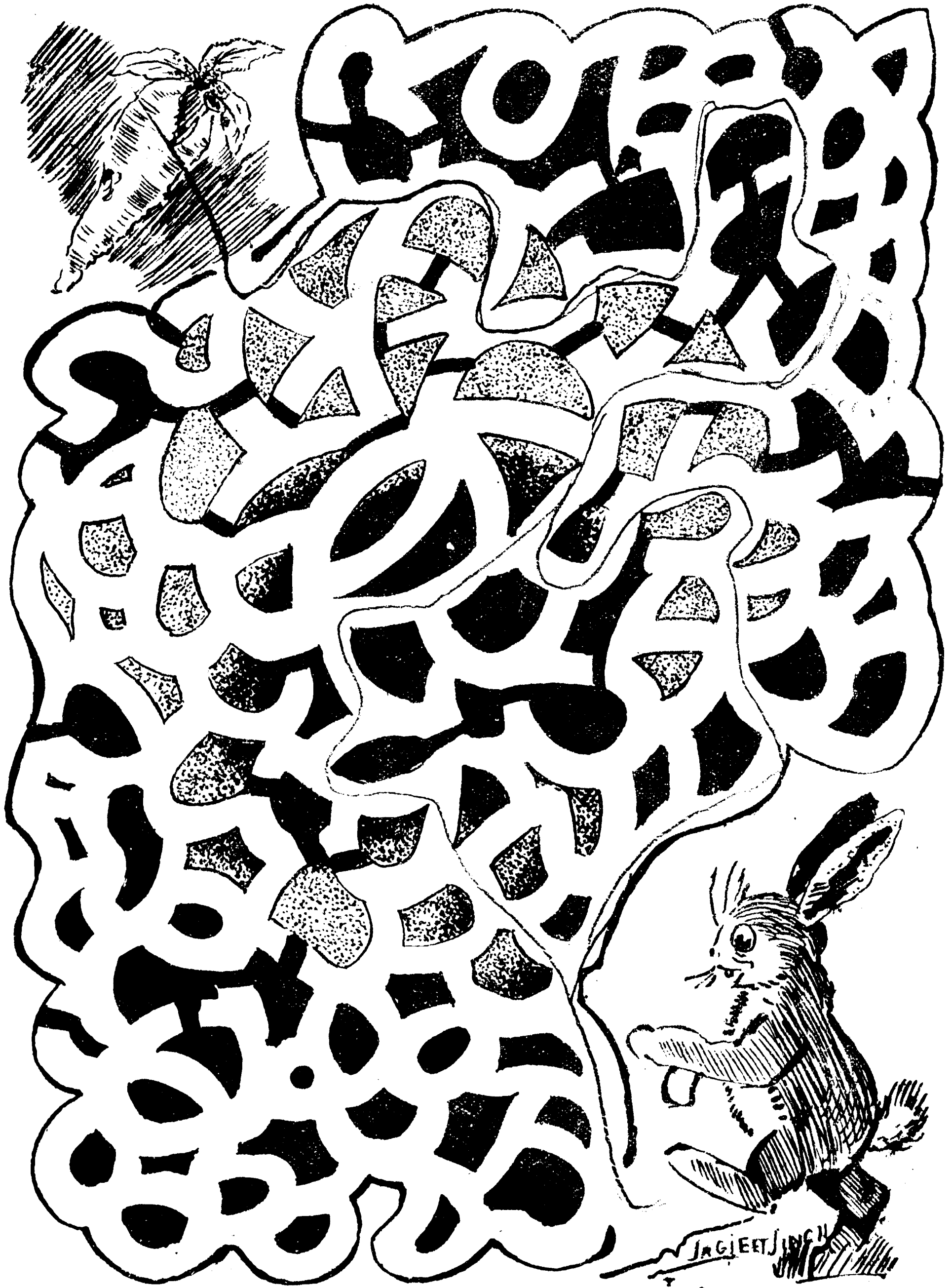
یہ ایک تاریخی قصہ ہے۔ جو ہندوستان کے مشہور ادیب اور افسانہ نگار حکیم احمد شجاع صاحب بی اے علیگ نے بچوں کے لئے بچوں کی زبان میں لکھا ہی۔ اس میں شہنشاہ بابر کی بچپن سے جوانی تک کی دلچسپ کہانی ہے

بابر کے باپ شیخ محمد مرزا حاکم فرغانہ نے اپنے چہیتے بیٹے کو اپنے ایک معتبر ملازم خواجہ محمد کے سپرد کر دیا کہ وہ اسے دشمنوں کی آنکھوں سے دور کسی محفوظ مقام میں رکھے۔ اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کرے۔ خواجہ محمد کا بھی لڑکا تھا، اس کا نام زرداد تھا ان دونوں میں بچپن ہی سے بڑی گہری دوستی ہوگئی تھی۔ ایک دفعہ بابر نے زرداد کو دریا میں ڈوبنے سے بچایا بھی تھا۔

بابر بارہ برس کا تھا۔ کہ اس کے باپ شیخ عمر مرزا کا انتقال ہوگیا۔ یہ وقت بڑا نازک تھا۔ اتنی سی عمر۔ چاروں طرف دشمنوں کا نرغہ اور تو اور چچا اور ماموں بھی دشمن اور اس کے باپ کے علاقے پر دانت تیز کئے ہوئے ایسی حالت میں اس کے اتالیق خواجہ محمد نے اس کی ہمت بندھائی۔ اور اس کے ننھے دوست زرداد نے اس کی ہر طرح مدد کی۔

بابر نے اپنے باپ کا علاقہ دشمنوں سے چھین کر تخت اور تاج حاصل کیا۔ اور پھر کچھ ایسی صورتیں پیدا ہوئیں کہ کچھ دنوں کے لئے انھیں کھو دیا۔ اس عیش و عشرت پریشانی و مصیبت کے زمانے میں زرداد برابر اپنے دوست اور آقا کے ساتھ رہا اور وفاداری کے جوہر دکھاتا رہا۔ اس قصے سے تمھیں معلوم ہوگا کہ زرداد نے اپنی بچپن کی دوستی کو کیسی اچھی طرح نبھایا۔

حکیم صاحب نے کتاب کچھ ایسے دلچسپ انداز میں لکھی ہی کہ ختم کئے بغیر طبیعت بے کل رہتی ہے۔ اس کی قیمت ۶ر ہے۔ اور **مکتبہ جامعہ** دہلی سے مل سکتی ہے



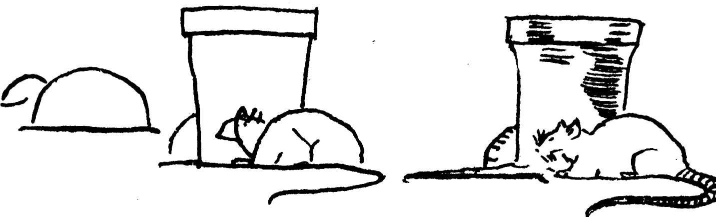
یہ خرگوش گاجر کے لئے بہت بے چین ہے۔ مگر بے چارے کو راستہ نہیں ملتا۔ اب ذرا بتالو دیکھیں

تصویر بنانے کا آسان طریقہ

گھر کے جانوروں میں جو ہمیں سب سے زیادہ پریشان کرتا ہے وہ چوہا ہے۔ یہ بڑا ہی شریر جانور ہے چیزیں چرالے جاتا ہے، کپڑے کتر دیتا ہے۔ اور تمھاری میٹھی میٹھی چیزیں کھا جاتا ہے۔ پھر رات کو اپنی کریہہ آواز سے نیند خراب کر دیتا ہے آج ہم اسی کی تصویریں دیتے ہیں۔ پہلی تصویر میں یہ کچھ دیکھ رہا ہے۔ دوسری تصویر میں دوڑ رہا ہے۔ اور تیسری تصویر میں کچھ چرانے کی تیاری کر رہا ہے۔







پیام تعلیم

دہلی

جلد ۱۷ — نمبر ۶

فہرست مضامین

ایڈیٹر۔ محمد حسین حسان (ندوی)

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی۔ جامعہ پریس

پیام تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عہ — فی پرچہ ۔ ۴ر

گورنمنٹ ہائی اسکول	Khammameth	یعقوب شریف صاحب	مدراس
گورنمنٹ انیگلو اردو اسکول	اکولہ	سید زاہد حسن و سید حامد حسن صاحبان	کانپور
مدرسہ وسطانیہ	شفیع پور	ڈی جی ہائی اسکول	قنوج
عبدالمالک ایچ جی نورانی صاحب	دیولالی	سید حبیب حسین صاحب	لہریا سرائے
مدرسہ وسطانیہ	گنگا پور	تہذیب النسا صاحبہ	اعظم گڈھ
ضیار الحق صاحب	دھنباد	مزمل اللہ صاحب کرمانی	اناؤ
مولوی نصیر الدین حیدر صاحب	الموڑہ	مس فہمیہ اسمٰعیل	سکندر آباد
غلام محمد صاحب	کلکتہ	مرتضیٰ احسن صاحب	دیوبند
صدیق حسین صاحب	الہ آباد	سید فرید احمد صاحب	اونچگاؤں
سید غلام مرتضیٰ صاحب	پرلی ویجناتھ	خدیجہ بنت محمد عمر صاحب	اوری
خواجہ لطیف اللہ صاحب	ڈھاکہ	مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ	میدک
ایم اے احمد بادشاہ صاحب	ویلور	اے مجید لودی صاحب	پیلی بھیت
مدرسہ وسطانیہ	تعلقہ عنبر	فضل الرحمان صاحب	اجمیر
صباح الدین صاحب کرمانی	اناؤ	محمد صغیر حسین صاحب	اجمیر

ایم ایچ عبداللہ صاحب ۔ رنگون — خواجہ ذکی حسن سیف آباد — خواجہ غیاث الدین خانصاحب ساتلی جاگیر

بابو راؤ کاشی کر صاحب بلارم — ضادب النساء خاتون ۔ امراوتی — اسلامیہ اسکول ۔ بریلی

بچوں سے باتیں

یہ نمبر اس جلد کا آخری نمبر ہے۔ جنوری سے اللہ نے چاہا تو رسالے کی نئی جلد شروع ہوگی اس پچھلے سال میں تمھارے پرچے نے جو کچھ ترقی کی اسے تم خوب جانتے ہو۔ ہمیں بھی خوشی ہے کہ ہم نے جو تم سے وعدے کیے۔ آہستہ آہستہ سب پورے ہو رہے ہیں۔

~~~~~~ ❊ ~~~~~~

یہ کامیابی ہمیں ہرگز حاصل نہ ہوتی اگر مضمون لکھنے والے بزرگ اور بھائی اپنے اچھے اچھے اور دل چسپ مضمون پیام تعلیم میں شائع کرنے کے لئے نہ بھیجتے۔ ان میں سے بعض ہمارے مستقل مضمون نگار ہیں بعض تو ایسے ہیں جن کا کوئی نہ کوئی مضمون ہر پرچے میں شائع ہوتا رہا ہے مثلاً جناب محمود علی خاں صاحب جامعی، جناب محمد احمد صاحب سبزواری جناب جواد صاحب اور جناب رشید الدین صاحب یہ حضرات خاص طور سے شکریہ کے مستحق ہیں ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی عنایتوں کا سلسلہ برابر جاری رکھیں گے۔

~~~~~~ ❊ ~~~~~~

ہمیشہ کی طرح اب کی بار بھی پہلی دسمبر کو جامعہ کے بچوں کے مدرسے (تعلیمی مرکز نمبر ۱) میں تقریر کرنے اور مضمون لکھنے کا مقابلہ ہوگا، اس مرتبہ بھی پچھلے سال کی طرح دہلی اور باہر کے مدرسے مقابلے میں شریک ہو رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ جلسہ بہت دل چسپ اور کامیاب رہے گا مقابلے کا نتیجہ اور جلسے کی کارروائی انشاءاللہ اگلے پرچے میں شائع کریں گے۔

~~~~~~ ❊ ~~~~~~

تمھارے پرچے کے تائیس نمبر کو لوگ بہت پسند کر رہے ہیں ہمیں یقین ہے تم نے بھی پسند
~~~~~~

کیا ہوگا۔ بہت سے بڑے بڑے لوگوں کی رائیں ہمارے پاس آرہی ہیں اس پرچے میں تو گنجائش نہیں ہے۔ ممکن ہوا تو انھیں اگلے پرچے میں چھاپیں گے اس عرصے میں تم بھی اپنی اپنی رائیں لکھ کر بھیجو اگر پرچے میں تمھیں کوئی کمی نظر آتی ہو تو اسے بھی ضرور لکھ بھیجنا۔ اور اگر تمھارے ذہن میں کوئی ایسی بات ہو جس کی وجہ سے پرچہ تمھارے لئے اور بھی مفید اور دلچسپ ہو جائے تو وہ بھی لکھنا

٭

تالیس نمبر میں انعامی مقابلے کی جو تصویر چھپی تھی اسے رنگ بھر کر جلدی سے بھیج دو تاکہ جنوری کے پرچے میں ہم انعام کا اعلان کر دیں یہ تصویر ہم نے کچھ زیادہ چھپوائی ہے اس لئے اگر تمھیں اپنے پرچے کے خراب ہو جانے کا خیال ہو اور تم ضرورت سمجھو تو ہمارے پاس ایک آنے کا ٹکٹ بھیج دینا، یہ تصویر ہم تمھارے پاس بھیج دیں گے۔

٭

اس پرچے میں ہم ایک بہت ہی اچھی کہانی نیت کا پھل شائع کر رہے ہیں۔ جناب مرزا مظفر حسین بیگ صاحب سیفی دہلوی کو ایسی کہانیاں لکھنے کا بہت اچھا سلیقہ ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آئندہ بھی وہ ہم پر کرم فرماتے رہیں گے اور پیام تعلیم کے لئے اچھی اچھی کہانیاں لکھ کر بھیجیں گے یہ کہانی کتاب کی شکل میں بھی بہت جلد شائع ہو گی۔

٭

بنگال کے صوبے میں سرسلیم اللہ مسلم یتیم خانہ کے نام سے مسلمان بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ ۲۵ سال سے قائم ہے۔ ہمارے پاس جناب خان صاحب چودھری فرید الدین احمد صاحب صدیقی نے اس یتیم خانے کی رپورٹ بھیجی ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم خانہ بہت ترقی کر رہا ہے۔ بچوں کو ہر طرح کا آرام ہے ان کے پڑھنے لکھنے کا سامان بہت اطمینان کے قابل ہے علاوہ پڑھائی کے انھیں اور بہت سی چیزیں بھی سکھائی جاتی ہیں مثلاً :۔ درزی کا کام، بڑھئی کا کام، کتابوں کی جلدیں بنانے کا کام وغیرہ۔ چودھری صاحب اس یتیم خانے کو اور ترقی دینا چاہتے ہیں۔ خدا ان کے کاموں میں برکت دے۔ آمین

بن بلایا مہمان

(از جناب پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم اے علیگ)

کیوں صاحب کبھی آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھی گئے ہیں۔ ضرور گئے ہوں گے۔ ہمارے یہاں تو لوگ نظام الدین، اوکھلے، تغلق آباد، قطب وغیرہ اکثر جاتے رہتے ہیں اور بڑی دلچسپی رہتی ہے ہوتا یہ ہے کہ سب اپنا اپنا ناشتہ اور کھانا الگ الگ پکوا کر لے جاتے ہیں یا وہیں ہر ایک الگ الگ پکاتا ہے اور سب مل کر کھاتے ہیں۔ بڑا لطف آتا ہے۔ لیکن اگر ایسے میں کوئی بن بلایا مہمان پہنچ جائے تو ہمیں تو بھائی بڑی تکلیف ہوتی ہے بس رنگ میں بھنگ ہو جاتا ہے ایک دفعہ جنگل کے کچھ جانوروں کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ایک بار ان کو بھی تفریح کی سوجھی طے یہ ہوا کہ نوروز کا جشن منانا چاہیے

بی گلہری بولیں مجھے ایک ایسی چوکور جگہ معلوم ہے جہاں ہم دسترخوان بچھا کر خوب کھا پی سکتے ہیں اور بڑی دلچسپی کے ساتھ اپنا وقت گذار سکتے ہیں اس پر دوسری گلہری صاحبہ بولیں پھر تو بہت لطف رہے گا۔ میں اس موقع کے لئے اخروٹ کے کباب تیار کر رکھوں گی۔ آج ہی سے میں اخروٹ توڑنا شروع کئے دیتی ہوں۔ دوسرے جانوروں نے بھی کہا کہ ہم فلاں فلاں چیزیں پکا کے لائیں گے۔ آخر ایک دن مقرر کر کے سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے بڑے انتظار کے بعد تفریح کا دن آیا تو سب اسی چوکور جگہ پر جمع ہوئے ہر ایک اپنے ساتھ اچھے اچھے کھانے لایا تھا۔ سب خوش تھے کہ دھوپ میں بیٹھ کر بڑی زوردار دعوت

اُڑائی جائے گی۔ دسترخوان بچھایا گیا ہر چیز سلیقے سے چن دی گئی۔ اب بسم اللہ کہہ کر دسترخوان کی طرف ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا یعنی دسترخوان کا بیچوں بیچ کا حصہ آپ ہی آپ اوپر کو اُٹھنے لگا۔ سب سے پہلے بی چوہیا خانم نے یہ ماجرا دیکھا گھبرا کے بولیں اے ہے لوگو! یہ کیا آفت آئی ارے دیکھنا دیکھنا یہ ہمارے دسترخوان کے نیچے سے پہاڑ سا کیسا اُبھر رہا ہے۔ دسترخوان برابر اونٹ کے





کوہان کی طرح اوپر کو اٹھتا رہا اور اچھے اچھے کھانوں کے برتن لڑھکنے لگے۔ اب تو سب چلا کر بولے ارے بھئی یہاں سے جلدی سے کھسکو چلو کونے اور جگہ ڈھونڈیں دعوت کا سارا مزا کرکرا ہو رہا ہے۔ اتنے میں ایکا ایکی میاں مول[۵۱] نیچے سے نکل آئے اور لگے سب کو آداب کرنے اور ڈھٹائی دیکھئے فرماتے ہیں" میں نے

۵۱۔ ان کا ذکر اگست کے پرچے میں آسٹریلیا کے جانوروں کے سلسلے میں آچکا ہے۔

سنا تھا کہ آپ کے یہاں نوروز کا جشن ہونے والا ہے تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی شریک ہونا چاہیئے۔ اب کہیے چائے پینے پلانے کے متعلق کیا رائے ہے“ پہلے تو یہ سب گھبرا کے بھاگ پڑے تھے مگر جب ذرا دہشت



کم ہوئی اور حواس ٹھیک ہوئے تو سب نے میاں مول کو ڈانٹا ” چلے مانگنے ہو شرم نہیں آتی؟ تمھیں کسی نے بلایا تھا؟ دعوت دی تھی؟ اب ہم سب بیٹھ کر چائے اڑائیں گے اور تمھیں ٹھینگا دکھائیں گے جاؤ دور دفان ہو یہاں سے“



مالک :۔ ایں! تم ہمارے درخت پر کیوں چڑھتے ہو، سیب چرانے جا رہے ہیں؟

لڑکا :۔ نہ نہ نہ نہیں جناب، میں ت ت ت تو آپ کے کت کت کتے کو دو پاؤں پر کھڑا ہونا سکھا رہا ہوں۔

ہوائی دوڑ کا نتیجہ

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

پچھلے کسی پرچے میں تمھیں یہ بتایا گیا تھا کہ لندن سے ملبورن (آسٹریلیا) تک ہوائی جہازوں کی بڑی بھاری دوڑ ہونے والی ہے۔ اب یہ دوڑ ختم ہو گئی ہے اس لئے اس کا تھوڑا سا حال لکھا جاتا ہے۔ اسے پڑھنے سے پہلے اگر تم ہوائی جہاز کی دوڑ کا راستہ اپنے سامنے رکھ لو تو بڑی آسانی رہے گی۔

یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ اس دوڑ میں ۶۴ ہوائی جہاز شریک ہونے والے تھے لیکن دوڑ کے وقت تک سب جہاز شامل نہ ہو سکے۔ کچھ تو بیچارے روپیہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔ کسی کا جہاز اس تاریخ تک تیار نہ ہوا۔ غرض یہ کہ آخر میں صرف ۲۰ جہاز رہ گئے ان میں بس برطانیہ۔ امریکہ۔ ڈنمارک۔ ہالینڈ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ کے جہاز تھے۔

یہی ۲۰ جہاز ۲۰ اکتوبر کو صبح ۶ ½ بجے لندن سے روانہ ہوئے۔ ہزاروں آدمی یہ تماشا دیکھنے جمع ہوئے تھے۔ سب جہاز آگے پیچھے ایک قطار میں کھڑے کر دئے گئے تھے۔ ۴۵ سیکنڈ یعنی پون پون منٹ کے بعد ایک جہاز روانہ ہوتا تھا کوئی ۱۷ منٹ میں سارے کے سارے جہاز ہوا میں تیرنے لگے اور مقابلہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلا پڑاؤ بغداد تھا۔ یہاں سب جہازوں کا ٹھہرنا لازمی رکھا گیا تھا۔ بغداد میں سب سے اول مسٹر اور مسز مولیسن کا "بلیک میجک" نامی جہاز پہنچا۔ دوسرے نمبر پر اسکاٹ اور کیمبل کا "کامٹ" نامی جہاز رہا۔ یہ دونوں جہاز انگلستان کے تھے کراچی کے بعد "بلیک میجک" خراب ہو گیا اس لئے الہ آباد میں وہ اول نہ آسکا۔

اب "کامٹ" جہاز اول ہو گیا۔ اور دوسرے

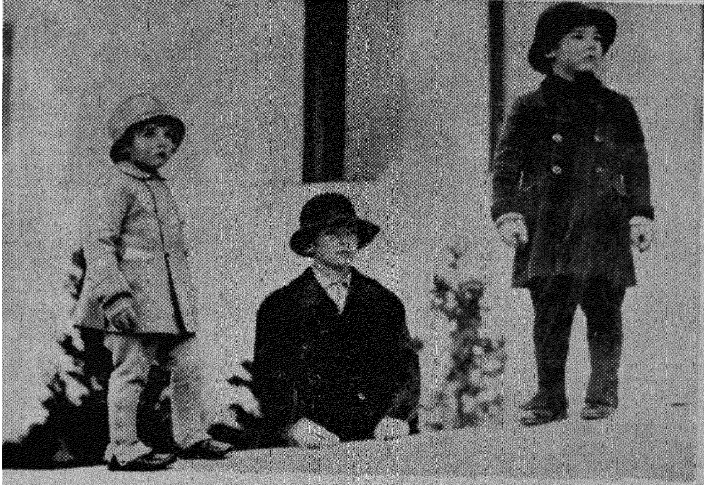


اسکاٹ اور کیمبل بلیک جو ہوائی جہاز کی دوڑ میں اول آئے

Calcutta Art Press, Delhi.



سونے کا کپ جو ہوائی دوڑ میں اول آنے والے کو
انعام میں ملا ہے



یوگو سلادیا کے بادشاہ کو دشمنوں نے قتل کردیا ہے - اب اُس کا چھوٹاسا بچہ
پیٹر اُس کی جگہ بادشاہ ہوگا - اِس تصویرمیں یہ ننھا بادشاہ
اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ نظر آرہا ہے

نمبر پر پرنٹر اور مول کا ''ڈگلس'' نامی جہاز آیا ۔ اس کے بعد سے ملبورن تک یہی صورت قایم رہی اور آخر میں یہی دونوں جہاز اول اور دوم آئے

اول نمبر کے کامٹ جہاز نے گیارہ ہزار میل کا فاصلہ صرف ۲ دن ۲۲ گھنٹہ ۵۹ منٹ ۵۰ سیکنڈ میں طے کیا ۔ اور دوسرا جہاز کوئی ۱۹ گھنٹہ پیچھے پہنچا ۔ اول جہاز کو ۱½ لاکھ روپیہ کا انعام اور ایک سونے کا بڑا سا کپ ملا اور دوسرے جہاز کو صرف ۲۲½ ہزار روپیہ ملا ۔ یہ دونوں انعام اسٹریلیا کے ایک بڑے امیر شخص مسٹر میکفرسن رابرٹسن نے دئے تھے ۔

پہلے جہاز ''کامٹ'' میں تو صرف دو چلانے والے ہی تھے لیکن دوسرے میں دو چلانے والوں کے علاوہ سات مسافر اور بہت سی ڈاک بھی تھی ۔

ساری دنیا یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ یہ لوگ کس طرح اتنے تھوڑے سے وقت میں اتنی دور کا فاصلہ طے کر سکے ۔ اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے لندن سے آسٹریلیا تک اُڑنے کی کوشش کی تھی ۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں سر راس اسمتھ اور سر کیتھ اسمتھ نے جو دونوں انگریز بھائی تھے ۲۸ دن میں یہ راستہ طے کیا ہے ۔ پھر اور لوگ کوشش کر کے کم دنوں میں پہنچے ۔ آخر سنہ ۳۳ء میں ایک شخص مسٹر اُلمہ ۶ دن ۱۷ گھنٹہ اور ۵۶ منٹ میں پہنچے لیکن اس مرتبہ ان دونوں ہوابازوں[1] نے تو سب کو مات کر دیا ۔ دیکھو آدمی ہمت اور کوشش سے کیسے کیسے کام کر سکتا ہے ۔ آج ساری دنیا میں ان دونوں شخصوں کی خوب واہ وا ہو رہی ہے ۔ تم بھی ابھی سے کوشش کرو کہ ہمت کبھی نہ ہاریں گے ۔ بہادری سے کام لیں گے اور ایسے ہی اچھے اچھے کام کریں گے کہ ساری دنیا میں تعریف ہو ۔ کوئی بُرا نہ کہے ۔

[1] ہوائی جہاز چلانے والے ۔



نیت کا پھل

(از جناب مرزا مظفر حسین بیگ صاحب سیمی دہلوی)

شاہجہاں بادشاہ ایک دن شکار کو گئے شکار کھیلتے کھیلتے شہر سے دور نکل گئے لشکر بھی پیچھے رہ گیا، گرمی کا موسم تھا، اور ٹھیک دوپہر کا وقت۔ چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی پیاس کے مارے بُرا حال تھا، مگر نہ پاس پانی موجود تھا، نہ کہیں آبادی کا نشان۔

آخر کار وہیں جنگل میں ایک بُڈھا آدمی قوم کا گوجر بکریاں چرانے والا ایک سایہ دار درخت کے نیچے اپنی بکریوں کو جمع کئے بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے قریب پہنچکر اُس سے پانی مانگا۔ غریب چرواہے کو کیا خبر کہ یہ بادشاہ سلامت ہیں۔ ہاں کپڑوں کو دیکھ کر سمجھا کہ کوئی امیر آدمی ضرور ہے۔ جلدی سے اپنا برتن لے کر ایک بکری کے دودھ سے دھو کر صاف کیا پھر دوسری بکری کے دودھ سے لُٹیا بھر کر بادشاہ کو دی۔

بادشاہ سلامت دودھ پی کر بہت خوش ہوئے۔ جیب میں ہاتھ ڈالا، اور ایک پنسل نکالی۔ کاغذ بھی پاس نہ تھا۔ اس لئے غریب گڈریئے سے ایک بڑ کا پتا منگوا کر کچھ نشان پنسل سے کر دیا۔ اور گڈریئے سے کہا۔ "پرسوں جمعہ کے روز جامع مسجد میں یہ پتا مجھے دکھانا۔ تمکو دو گاؤں انعام میں دیئے جائیں گے۔!"

بادشاہ یہ کہکر گھوڑا دوڑاتے ہوئے جنگل میں غائب ہو گئے۔!

(۲)

ادھر گڈریا خوشی خوشی سویرے ہی سے بکریوں کو ہانک کر گاؤں میں لے گیا۔ گھر پہنچتے ہی اپنا کمبل اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور وہی پتا حفاظت سے کمبل کے اوپر رکھ کر بکریوں کو باڑے میں بند کرنے لگا۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک بکری کی نظر اُس ہرے ہرے پتّے پر پڑی، جھٹ لپک کر ہڑپ کر گئی اُس غریب کو خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ اپنے کام میں مشغول تھا جب فرصت ملی اور کمبل کی طرف متوجہ ہوا تو پتّے کا پتہ نہ پایا۔ بکری کے کھا جانے کا خیال آتے ہی حواس، باختہ ہو گئے۔ اور بے اختیار نعرہ مارا:-

"ہائے بکری دو گاؤں کھا گئی۔!"

اب وہ دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا۔ کبھی اندر جاتا، کبھی باہر آتا۔ "بکری دو گاؤں کھا گئی" زبان پر تھا۔ کھانا پینا سب بھول گیا۔ اپنے، بیگانے اس مجذوبانہ بڑ کو سُن سُن کر حیران ہوتے تھے۔ ہر چند پوچھتے، مگر "بکری دو گاؤں کھا گئی"، کے سوا کچھ جواب نہ ملتا۔ کوئی آسیب کا خلل بتاتا تھا، کوئی دماغ کا۔ لیکن بات کی تہ کو کوئی نہ پہنچا۔!

آخر ایک عقلمند کا ذہن جا لڑا۔ اُس نے ایسی نرمی اور ہمدردی کے ساتھ باتیں کیں کہ اصل بات کھل گئی۔ اُس نے تسلی دے کر کہا کہ "کل میرے ساتھ چلنا۔ میں تم کو دلّی لے چلوں گا۔ تم مسجد میں جا کر اسی طرح بکری دو گاؤں کھا گئی!، 'بکری دو گاؤں کھا گئی' کا غُل مچا دینا۔ کسی کی ایک بات نہ سُننا۔ بادشاہ سلامت خود ہی متوجہ ہو جائیں گے۔ اور تمہارا مطلب حاصل ہو جائے گا۔!

(۳)

قسمت دیکھئے کہ جب یہ دونوں دلّی پہنچے تو جمعہ کی نماز ہو چکی تھی۔ مسجد میں گئے تو لوگ ہاتھ پھیلائے دُعا میں مشغول تھے۔ دیوانہ دیہاتی اپنا وظیفہ رٹتا، اور ساری صفوں کو چیرتا پھلانگتا پہلی صف تک پہنچ گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ وہی مہمان جسے جنگل میں دُودھ پلایا تھا فقیروں کی طرح بیٹھا کچھ مانگ رہا ہے یہ دیکھ کر وہ اپنا وظیفہ تو بھول گیا۔ حیران ہو کر اپنے ساتھی سے پُوچھنے لگا "اتنے بڑے بادشاہ، اور یہ سب امیر وزیر یہاں ہاتھ پھیلائے کیوں بیٹھے ہیں؟"

اُس نے جواب دیا کہ "یہ سب اپنے مولا کا نام جپ کر اپنے اپنے داتا سے مُرادیں

مانگ رہے ہیں۔ !"

یہ سُن کر گدڑیا کہنے لگا کہ "جب یہ خود میری طرح محتاج ہیں تو میں محتاج سے کیا مانگوں۔ جس سے یہ مانگ رہے ہیں، اسی سے میں بھی کیوں نہ مانگوں!" ساتھ ہی ایک نعرہ مارا۔

"داتا۔ تو ہی دے گا تو لوں گا۔

اور اُلٹے پاؤں وہاں سے بھاگا۔

اِدھر دُعا سے فارغ ہوتے ہی بادشاہ سلامت نے "بکری دو گاؤں کھا گئی" کی آوازیں سُن کر اپنے مہربان اور میزبان کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ مگر وہ اب کہاں"؟ ہر چند تلاش کیا، نہ ملا!

غریب گدڑیا مسجد سے نکل کر عرصہ تک پھرتا پھراتا اُسی درخت کے نیچے آ بیٹھا۔ اور "تو ہی دے گا تو لوں گا" کا وظیفہ پڑھنے لگا۔ تھکا ماندہ ویسے ہی تھا، ٹھنڈی ہوا لگتے ہی سو گیا۔!

خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے۔

"اس درخت کی جڑوں میں بڑا بھاری خزانہ دفن ہے، تم کھود کر نکال لو۔ وہ تمہارا ہی حصہ ہے!"

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کئی آدمی قریب ہی بیٹھے کچھ چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں۔ اُس نے ان کی صورتیں دیکھ کر جان لیا کہ یہ ضرور ڈاکو ہیں۔ دل میں سوچنے لگا کہ خزانہ جس کا خواب میں پتہ چلا ہے اگر میں نے کھود کر نکالا اور واقعی نکلا بھی تو یہی بھلے مانس جو بیٹھے ہیں کب چھوڑیں گے۔ میں اکیلا، یہ کئی۔ کچھ بھی چپڑ کی تو جان بھی جائے گی یہاں سے بچ کر صحیح سلامت گھر پہنچا تو گاؤں کا نمبردار یا تھانہ دار کب چھوڑے گا۔

آخر یہ سوچ کر اٹھا اور چوروں سے کہنے لگا کہ "بھائی تم کون لوگ ہو۔ اور یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

چور بولے۔ "بھیا۔ ہم مسافر ہیں۔ ذرا دیر دَم لینے کے لئے بیٹھ گئے ہیں تمھارا اگر کچھ ہرج ہو تو ہم چلے جاتے ہیں۔!"

اُس نے کہا۔ "میں نے تمہاری سب باتیں سُن لی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے تم کسی کو لوٹنے مارنے کی تدبیر کر رہے ہو۔ دیکھو، بھائیو، یہ بات اچھی نہیں ہے ایسا کرو گے تو ایک دن اللہ میاں کے ہاں بھی جانا ہے، وہاں کیا جواب دو گے؟

اگر تم کو مال کی ایسی ہی ضرورت ہے تو میں تمھیں ایک بڑا بھاری خزانہ بتائے دیتا ہوں۔ اس درخت کی جڑوں میں دفن ہے کھود کر نکال لو۔ اور آئندہ کے لئے اپنے ارادوں سے باز آؤ۔!"

اتنا کہا اور خود یہ کہتا ہوا ایک طرف کو چل دیا:۔

"داتا چھپر پھاڑ کر دے گا تو لوں گا۔!"

(۵)

اس کے چلے جانے کے بعد ایک چور بولا "یہ تو کوئی بڑا پہنچا ہوا فقیر معلوم ہوتا ہے!"

دوسرے نے کہا۔ "اجی واہ۔ پہچانا نہیں۔ وہی پرسو گوجر ہے جو ہمیشہ اس جنگل میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ فلاں گاؤں میں رہتا ہے۔ کچھ دنوں سے پاگل ہو گیا ہے، اور ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے فقیری کیا ہوئی، بچوں کا کھیل ہو گیا جو پرسو گوجر کو ملگئی"

پہلا چور کہنے لگا کہ "بھائی۔ داتا کے دین کی باتیں ہی جدا ہیں۔ موسیٰ نبی آگ لینے گئے تھے پیغمبری مل گئی۔ پرسو کو بکریاں چراتے فقیری ملنا کیا مشکل ہے!"

دوسرے نے کہا۔ "اجی۔ رہنے بھی دو ایسے ایسے پاکھنڈی بہت سے دیکھے ہیں۔!"

تیسرا بولا۔ "بھائیو۔ تمہارے بھی کچھ دام خرچ ہوتے ہیں، آؤ۔ دیکھو تو سہی کچھ ہے بھی۔ یا ہمیں یوں ہی ٹال گیا ہے"۔

غرض آپس میں صلاح کر کے درخت کی جڑیں کھودنی شروع کیں۔ تھوڑی سی محنت کے بعد ایک بڑے برتن کا کنارہ دکھائی دیا۔ پھر کیا تھا۔ جلدی جلدی برتن کا منہ مٹی کے اندر سے صاف کر کے خوشی خوشی ڈھکنا اٹھایا۔ دیکھا تو روپوں اور اشرفیوں کی بجائے اُس میں زہریلے سانپ اور بچھو نظر آئے۔ گھبرا کر فوراً ڈھکنا ڈھانک دیا۔

اب تو پرسو کو پاکھنڈی کہنے والے کی بن آئی۔ بولا "اس دشمن نے دوست بن کر ہمارے مارنے کی صلاح کی تھی۔ بھیا۔ مزا تو جب ہے جو یہی دفینہ اُس کے گھر میں ڈال دیا جائے۔

سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور رات کے وقت وہ سانپ بچھوؤں کا خزانہ نکال کر بیچارے پرسو کے گھر کی طرف لے چلے۔!

(۶)

قسمت کی خوبی دیکھئے آج پرسو کے گھر والے بھی اُسے جنگل سے تلاش کر کے گھر لے گئے تھے رات کا وقت تھا۔ پرسو اپنے مکان میں چھپر تلے سو رہا تھا۔ سوتا کیسا۔ آہستہ آہستہ :۔

" داتا۔ چھپر پھاڑ کر دے گا تو لوں گا "

کا وظیفہ رٹ رہا تھا۔!

کمبخت چور بھی جنگل طے کر کے اُس کے گھر کے آس پاس آ لگے تھے سو تاک تاک کر کوٹھے پر جا چڑھے۔ اور چھپر میں آہستہ سے سوراخ کر کے برتن کو اوپر سے اُلٹ دیا۔!

سمجھتے تھے کہ پرسو اور اس کے بال بچے قیامت تک پڑے سوتے رہیں گے۔ مگر تقدیر کھڑی ہنس رہی تھی۔ برتن کا اُلٹنا تھا کہ روپے اور اشرفیوں کا مینہ برسنا شروع ہو گیا۔ پرسو بجائے اس کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سوتا رہے یہ کہتا ہوا اُچھل پڑا :۔

" ہاں۔ ہاں۔ میرے داتا۔ میں بھی اسی طرح مانگتا تھا!"

چھن چھن کی آواز کے ساتھ ہی گھر والے کیسے، محلہ والے تک جاگ اُٹھے۔ چور حیران ہو کر نیچے اُترے۔ پرسو کے پاؤں پڑ کر معافی مانگی۔ چوری سے ہاتھ اُٹھایا۔!

صبح کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم تھا۔ اب کس کو مجال تھی کہ اُس غریب پرسو پہ دست درازی کرتا۔ نمبردار کون۔ اور تھانہ دار کیسا! سب دم بخود رہ گئے!

دوسرے روز دربار شاہی میں پہنچ کر اوّل سے آخر تک سب ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ سلامت اور سب حاضرین دربار سارا قصہ سن کر متحیر ہوئے۔ سچائی اور خدا پر بھروسہ کرنے کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔

نیک دل اور نیک نیت بادشاہ نے دو گاؤں کی جاگیر انعام میں دے کر اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور پرسو میاں اپنے بال بچوں میں ہنسی خوشی رہنے سہنے لگے :۔

" خدا ایسے ہی ہم سب لوگوں کے دن پھیرے!

" اور ہمارے بادشاہ کی نیت سلامت رکھے۔

آمین!"

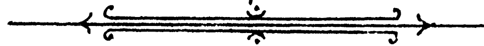


چھینک کیوں آتی ہے؟

(از سید ظہیر الدین صاحب اورنگ آباد دکن)

چھینک آتے وقت بھی آدمی کی کیا صورت بن جاتی ہے۔ اگر اس وقت فوٹو کھینچ لیا جائے تو بڑا لطف آئے، بند آنکھیں، پھولی ہوئی ناک، کھلا ہوا منھ، کانپتی ہوئی گردن غرض کچھ عجیب بیوقوفوں کی سی شکل بن جاتی ہے جسے دیکھ کر آپ ہنستے ہنستے لوٹ نہ جائیں تو ہمارا ذمہ بعض آدمیوں کو تو چھینک اس قدر زوروں سے آتی ہے کہ پاس بیٹھا ہوا آدمی ڈر جاتا ہے کچھ معلوم بھی ہے کہ چھینک آتی کیوں ہے اچھا خاصا بھلا چنگا آدمی بے وقوفوں کی طرح آچھیں، آچھیں کرنے لگتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ناک ہوا لینے کی ایک نالی ہے۔ اسی کے ذریعہ ہم ہوا یا سانس دماغ تک پہنچاتے اور نکالتے ہیں۔ چھینک کے معنے یہ ہیں کہ ناک کے اندر کوئی ایسی چیز آگئی ہے جس کو وہاں نہ ہونا چاہیے تھا۔ اگر کوئی چیز اس ہوا کی نلکی میں ایسی آجاتی ہے۔ جس سے ہوا کے آنے جانے میں رکاوٹ ہوتی ہو تو دماغ اس کو دھکا دے کر باہر نکال دینا چاہتا ہے۔ اور اسی دھکے کو چھینک کہتے ہیں اگر ناک کے اندر کے حصہ میں کوئی چیز رک جاتی ہے۔ تو چونکہ ہماری ناک کا اندرونی حصہ بہت تیز ہے۔ وہ فوراً دماغ کو اس کی خبر کر دیتا ہے۔ اور پھر دماغ ہوا کے زور سے اسے باہر نکال دینا چاہتا ہے تو گویا ناک ایک قسم کی "پچکاری" ہے جس طرح پچکاری کو دبانے سے پانی باہر آجاتا ہے۔ اسی طرح دماغ ناک کی پچکاری کو دباتا ہے۔ تاکہ اس ہوا کی نلکی کے اندر کی رکی ہوئی چیز باہر نکل پڑے اسی لئے چھینک آنے کے بعد بڑی تسکین اور

آرام معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ رُکی ہوئی چیز نکل جانے کے بعد ہوا آسانی سے آنے جانے لگتی ہے۔ مرچ۔ ناس وغیرہ سے بھی چھینک آتی ہے۔ کیوں کہ ان کی دھانس سے ناک کے اندر کی رگیں پھڑکنے لگتی ہیں جس سے ہوا کے آنے جانے میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہر آدمی کے چھینک کی تعداد مقرر ہوتی ہے یعنی کسی کو ہمیشہ دو ہی چھینکیں آتی ہیں۔ کسی کو تین اور کسی کو تو چار چار تک آتی ہیں۔ لیکن دو چھینکیں آنا اچھا ہے۔ دو سے زیادہ آئیں تو سمجھنا چاہیے کہ زکام ہے۔ کیوں کہ زکام میں پانی ناک کے اندر جمع ہو کر ایک قسم کی گدگدی پیدا کرتا ہے بہت سے لوگوں کو تو زکام میں اس قدر چھینکیں آتی ہیں۔ کہ چھینکتے چھینکتے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اگر چھینک آنے سے پہلے ناک کے دونوں نتھنوں کے اوپر کے حصّہ کو جہاں ہڈی ختم ہوتی ہے دبا یا جائے تو چھینک رُک جاتی ہے کیوں کہ اس طرح دبانے سے اندر کی رکی ہوئی چیز ہٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر چھینک آتے آتے رک جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اس وقت اگر سورج کی طرف یا کسی دوسری روشن چیز مثلاً چراغ کی طرف دیکھا جائے تو پھر چھینک بے ساختہ آجاتی ہے۔



خُدا کا شکر

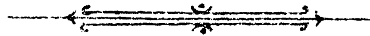
از جناب محوی صدیقی صاحب (مدراس یونیورسٹی)

ترا شکر کرتے ہیں دن رات ہم   کہ رہتے ہیں خوش، کچھ نہیں دل کو غم
نہ کچھ سوچ ہم کو نہ کچھ فکر ہے   کہ تو نے عطا کی ہے ہر ایک شے[۵۱]
بنائی اگر رات آرام کو   تو پیدا کیا ہے یہ دن کام کو
کھلایا ہے شب[۵۲] کو تاروں کا باغ   چمکتا ہے ہر ایک جیسے چراغ
سُہانا بنایا ہے کیا شام کو   غرض دکھ نہیں کوئی بھی نام کو
تجھی نے بنایا ہے یہ آسماں   کہ جیسے ہو نیلا بڑا سائباں
یہ چاند اور تارے یہ سورج تمام   تری ہی تو قدرت کے یارب ہیں کام
بنائی ہے یہ چوڑی چکلی زمین   کہ ہم گھر بنا کر ہوں اس پر مکیں[۵۳]
یہ بازار، یہ شہر اور یہ مکان   بتاتے ہیں تیری ہی قدرت کی شان
یہ سبزہ جو ہے لہلہاتا ہوا   زمیں پر اُگایا ہوا ہے ترا
بنائے ہیں یہ سبز تو نے درخت   کوئی نرم ان میں تو ہے کوئی سخت

۵۱ چیز   ۵۲ رات   ۵۳ رہنے والا

یہ پھل اور ترکاریاں اور پھول ✿ نہیں کوئی ان میں ہرگز فضول[۵۱]
یہ جنگل یہ باغ، اور اونچے پہاڑ ✿ یہ سبزہ، یہ پودے، یہ بوٹے، یہ جھاڑ
جو ہر اک جگہ پر لگاتا ہے تو ✿ ہمیں اپنی قدرت دکھاتا ہے تو
یہ دریا یہ تالاب یہ ندیاں ✿ یہ نالے، یہ جھیلیں یہ ہر اک کنواں
یہ چشمے یہ نہریں یہ سب آبشار[۵۲] ✿ بنائے ہیں تو نے ہی پروردگار[۵۳]
بنایا ہمارے لئے کل جہاں ✿ یہ کھیل اور تماشے یہ دلکش سماں
یہ سب کچھ کیا تو نے ہم کو عطا ✿ ترا شکر ہو ہم سے کیوں کر ادا

تجھے کس طرح بھول سکتے ہیں ہم
تری مہربانی کو تکتے ہیں ہم



۵۱ بیکار		۵۲ جھرنا		۵۳ پالنے والا

شرارت کا بھوت

(از جناب سید صباح الدین صاحب بی ٹی علیگ)

جب دو بچے ایک ساتھ پیدا ہوں تو آپ کو معلوم ہے انھیں کیا کہتے ہیں یہ جڑواں یا توام کہلاتے ہیں۔ سنتے ہیں یہ بڑے ہی شریر ہوتے ہیں گھر کا ہر شخص ان کی شرارتوں سے عاجز اور پریشان رہتا ہے۔

اور بھئی اگر دو چھوڑ تین ایک ساتھ پیدا ہوں۔ ایسا ہوتا بہت کم ہے لیکن اگر ایسی مصیبت آجائے تب! تب، کیا؟ جناب مصیبت تو مصیبت ہی ہے! اب میاں احمد، حامد اور محمودہ ہی کو لیجئے یہ تینوں شریر ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ ان کی شرارت کا آپ کیا حال پوچھتے ہیں بس یہ سمجھئے کہ ماں کے ناک میں تیر ڈال دیا تھا۔ بے چاری کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ گھر میں گھر سے باہر اور اسکول میں شاید ہی کوئی ایسی شرارت ہوتی ہو جس میں ان کا نام نہ آتا ہو۔ ایک روز کا قصہ سنئے یہ تینوں کے تینوں اسکول جانے سے پہلے کھانا کھا رہے تھے۔ بی محمودہ بولیں بھئی آج تو کوئی ترکیب کرو کہ اسکول سے جلدی لوٹ آئیں۔ چچا جان روز شام کو ٹہلنے نکل جاتے ہیں اور ہمارا ذرا خیال نہیں کرتے۔ میاں حامد فرمانے لگے ہاں ہاں ٹھیک تو کہتی ہے۔ ہم لوگ آئیں یا نہ آئیں بس وہ چار بجے موٹر پہ بیٹھ۔ گھر سے روانہ! احمد صاحب بولے ہاں بھئی ہماری بھی یہی رائے ہے۔ آج ضرور اسکول سے سویرے لوٹنا چاہئے۔ کئی ہفتہ سے چچا میاں نئی دہلی دکھانے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ مگر وعدہ ہی وعدہ پہ ٹال رکھا ہے۔ بس بھائی آج ضرور کوئی ترکیب کرو کہ تین ہی بجے مدرسہ سے بھاگ آئیں اور چچا میاں کے

ساتھ مزے سے نئی دہلی کی سیر کریں۔

محمودہ:- تو کوئی ترکیب سوچونا؟

احمد (اچک کر) بس سوچ لیا آ گئی ترکیب سمجھ میں!!

حامد اور محمودہ (بڑے اشتیاق سے) سچ مچ؟ بتاؤ نہ کیا ترکیب!

احمد (شرارت سے) نہیں بتاتے کیوں بتائیں

دونوں (بڑے خوشامدانہ لہجے میں) بتا دے میرا بھائی تجھے اپنی جان کی قسم اکیوں نہیں بتائے گا؟

آخر بہت ہی کہنے سننے کے بعد احمد خاں نے فرمایا۔

آج تیسرے پہر کو ماسٹر ضیاء الدین صاحب کا گھنٹہ ہے کل ان سے اور ماسٹر نصیر صاحب سے باتیں ہو رہی تھیں۔ ماسٹر نصیر صاحب نے ان سے کہا کہ آج کل اسکول میں بھوت پریت کا عمل دخل ہو گیا ہے۔ ماسٹر ضیاء الدین صاحب یہ بات سن کر بہت ڈرے۔ کہنے لگے اگر بھوت کی آواز ذرا بھی کانوں میں آئی تو میں تو کتابیں چھوڑ چھاڑ سر پر پیر رکھ کر بھاگوں گا۔

محمودہ (ناک بھوں چڑھا کر) پھر؟

احمد:- بس دیکھ لینا آج مدرسے میں بھوت ہی بھوت ہوں گے۔

حامد:- وہ کیسے

احمد:- وہ ایسے کہ ماسٹر ضیاء الدین صاحب کے پاس جو الماری رکھی ہے اس میں کسی صورت سے مدرسہ کا گراموفون رکھ دیں۔ اور اس پرزے میں جس سے باجہ بجتا ہے فیتہ باندھ دیں ٹھیک ساڑھے تین بجے چپکے سے فیتہ کھینچ لیں۔

حامد:- (اچھل کر) واہ وا بس میں سمجھ گیا۔

احمد:- اس طرح گراموفون الماری کے اندر خود بخود بجنا شروع ہو جائے گا۔ گانے کی آواز سنتے ہی محمودہ کو چاہیئے کہ ایکا ایکی گھبرا کر چیخ پڑے بس ہم دونوں دوڑ کر اسے باہر لے آئیں گے ماسٹر ضیاء الدین صاحب کو پتہ بھی نہ چلے گا وہ یہی سمجھیں گے کہ الماری میں بھوت بیٹھا گراموفون بجا رہا ہے۔

محمودہ: بھیا گھر کی طرف دوڑنا اور جب سب کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو بس بے تحاشا بھاگیں اس طرح وقت پر پہنچ جائیں گے اور چچا جان کو سیر کے لئے نئی دلی لے جانا پڑے گا واہ بھائی احمد خوب ترکیب نکالی بھئی واہ وا۔ ہُرّے ہُرّے۔

مدرسے میں گراموفون قبضہ میں کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا اور لیجئے ہیڈ ماسٹر صاحب کو معلوم نہیں اس وقت کیا ضرورت پیش آگئی جو باجہ منگوالیا۔ مگر خیر شکر ہے۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے اسے اپنی جگہ پر رکھوا دیا۔ یہ تینوں شریر پہلے تو نا امید سے ہو گئے تھے مگر جب چپراسی نے اسے پھر وہیں پر لاکر رکھ دیا تو بہت خوش ہوئے چپراسی تھوڑی ہی دور آگے گو گیا ہوگا کہ وہ لوگوں کی نظر بچا کر جھپاکے سے کمرے میں گھس گراموفون نکال لائے۔ اور ماسٹر ضیاءالدین صاحب کی الماری کے پاس پہنچے۔

درجہ کے ایک اور لڑکے نے انھیں گراموفون لاتے ہوئے دیکھ لیا تھا جب وہ الماری کے پاس آئے تو اس نے پوچھا کیوں جناب یہ کیا ہو رہا ہے۔

محمودہ (کڑک کر) ہو کیا رہا ہے اپنا کام کر رہے ہیں۔

لڑکا:۔ کام؟ بھلا گراموفون کے ساتھ الماری میں کیا کام ہو سکتا ہے۔

اب یہ بھلا یہ کیسے بتاتے کہ کیا کام ہو سکتا ہے اس لئے اسے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مگر وہ ان کا بھی استاد نکلا۔ چپکے سے میز کی آڑ میں چھپ گیا کہ دیکھیں یہ آخر کرتے کیا ہیں۔ اتنے میں یہ تینوں نہ جانے کس لئے الماری میں گھسے اور بھائی اس نے لپک کر بڑی ہی پھرتی سے الماری کا دروازہ باہر سے بند کر چیخ چیخ کر درجہ کے لڑکوں کو بلانا شروع کیا۔ کہ بھائیو! دوڑنا آج مدتوں کے بعد تینوں کو بند کیا ہے۔ لڑکوں کے لئے اس سے زیادہ دلچسپی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ فوراً فوج کی فوج پہنچ گئی۔ اور سبھوں نے اپنی اپنی پیٹھ اڑا دی کہ دروازہ نہ کھلنے پائے۔

احمد صاحب نے اپنے دونوں ساتھیوں

کے ساتھ بڑا زور لگایا مگر توبہ کیجئے اتنے لڑکوں کے مقابلے میں ان کی کہاں چل سکتی تھی۔

بی محمودہ نے اندر سے بڑے غصہ سے کہا "بدمعاشو! اچھا نکلنے دو دہ مزا چکھاؤں گی کہ تم بھی یاد کروگے"۔ مگر اس کے جواب میں سب لڑکوں نے ایک آواز میں کہا "اہا کیا مزا آرہا ہے۔ تینوں کے تینوں شریر الماری میں بند!"

جب اس ناگہانی قید سے چھٹنے کی اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آئی تو میاں احمد گھبرا گھبرا کر کہنے لگے۔

"خدا کے لئے جلدی دروازہ کھولو محمودہ کو غش آرہا ہے" مگر لڑکوں کی طرف سے ایک ہی جواب تھا۔ آنے دو کیا ہرج ہے۔ مگر ان بچوں میں کچھ لڑکیاں بھی تھیں انھیں بڑا رحم آیا کہنے لگیں، ہے ہے کہیں سچ مچ بچاری کو غش نہ آگیا ہو۔ الماری میں کہیں ہوا کا بھی تو گذر نہیں ہے۔

ایک شریر لڑکا بولا، اچھا دیکھنے دو۔ اور اک ذرا سا دروازہ کھول کر بی محمودہ کو دیکھا وہ اچھی خاصی تھیں اس پر سب لڑکے پکار اٹھے "جھوٹ غلط بالکل غلط" میاں محمود اندر ہی سے جھلا کے بولے اچھا نہ کھولو ہم دیکھتے ہیں کب تک اس طرح بند کئے کھڑے رہوگے"۔

اب باہر بالکل خاموشی تھی میاں احمد کہنے لگے کیوں چپ کیوں ہوگئے ہم لوگ اب دودھ کا نہیں دے رہے ہیں بی محمودہ بولیں۔ ہاں! بڑی خوب سمجھتی ہوں اب چپ ہوکر ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

بات اصل یہ ہوئی کہ گھنٹہ بج گیا تھا اور تمام لڑکے چپکے چپکے اپنی اپنی جگھوں پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ ایک اور لطیفہ سنئے اس روز ماسٹر ضیاء الدین صاحب کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لئے خود ہیڈ ماسٹر صاحب درجے میں پڑھانے چلے آئے تھے۔

ادھر یہ تینوں الماری میں بند آپس میں کھسر پسر کر رہے تھے۔

محمودہ :۔ احمد جلدی کرو فیتہ کو جلدی سے گراموفون میں باندھ دو۔

احمد :۔ ہاں لاؤ میں جلدی سے اچھی طرح باندھ دوں گا۔

محمودہ :۔ ارے جلدی کرو۔ کمبختو ماسٹر صاحب



آتے ہی ہوں گے اور اب یہ پاجی خود بخود دروازہ کھول کر چلے جائیں گے احمد نے جھک کر گراموفون میں فیتہ باندھ دیا اور اس پر ایک ریکارڈ بھی رکھ دیا۔

بی محمودہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں کہ آج ہم لوگ بڑے مزے سے سویرے گھر پہنچ جائیں گے۔ اور نئی دلی کی خوب سیر ہوگی۔ اتنے میں احمد صاحب بولے سب کام ٹھیک ہو گیا بس دروازہ کھول کر ایک زور کا دھکا لگائیں باہر کے لڑکے سب غافل ہو جائیں گے۔ حالانکہ باہر کے لڑکے بے چارے اپنی جگہوں پر بیٹھے خاموشی سے کام کر رہے تھے وہ اس خیال میں تھے کہ ان تینوں کو ہیڈ ماسٹر صاحب کے آنے کی خبر ہوگئی ہے اسی لئے اندر خاموش چھپے بیٹھے ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں ہیڈ ماسٹر صاحب

کی آنکھ بچا کر اپنی اپنی جگہوں پر آ بیٹھیں گے۔

مگر یہ تینوں کسی اور ہی دھیان میں تھے انھوں نے پورے زور کا دھکا لگایا۔ اور دھڑام سے زمین پر جیسے کوئی زلزلہ آگیا وہ تو خیریت ہوئی کہ اس جھٹکے میں الماری نیچے نہیں گری۔ اور گراموفون بھی بال بال بچ گیا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب اس آواز کو سن کر چونک پڑے۔ درجہ کے تمام لڑکے بھی ایک ذرا کے ذرا گھبرا سے گئے مگر تھوڑی دیر میں سارا درجہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ اتنے میں کہیں حامد کے ہاتھ سے فیتہ کھنچ گیا اور گراموفون بجنے لگا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور بھی حیران ہوئے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ گرج کر بولے گراموفون یہاں کیسے آیا اسے ابھی بند کرو۔ ایک لڑکا چپکے سے اٹھ کر اسے بند کر آیا۔

ان تینوں شریروں کا خوف اور شرم سے برا حال تھا بھیگی بلی کی طرح سب اپنی اپنی جگہوں پر آ کر بیٹھ گئے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے ان سے بڑے غصہ سے کہا تم تینوں اسکول ختم ہونے کے بعد میرے کمرے میں آنا۔

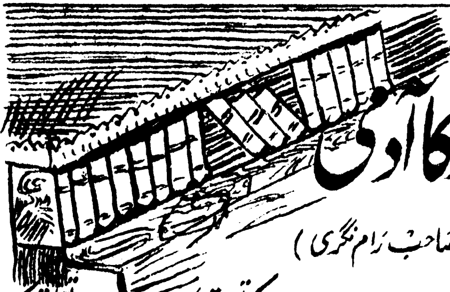
احمد حامد اور محمود آج ساڑھے پانچ بجے شام کو گھر پہنچے چچا جان سیر کے لئے جا چکے تھے۔ گھر میں صرف ماں تھیں وہ کہنے لگیں۔

تمھارے چچا نے تم لوگوں کا بہت انتظار کیا جب بہت دیر ہوگئی تو چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ تم لوگ کسی شرارت کی سزا میں روک لئے گئے ہو۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اب تم لوگوں کی شرارتیں دن پر دن بڑھتی جاتی ہیں۔ اس لئے اب وہ کبھی تمھیں سیر کے لئے نہیں لے جائیں گے۔

بی محمودہ کو اس وقت بڑا تاؤ آ رہا تھا۔ انھیں اور تو کچھ سوجھا نہیں احمد ہی سے اُلجھ پڑیں "پاجی احمد ناہنجار" ان کا خیال تھا کہ احمد ہی کی وجہ سے یہ ساری مصیبتیں سر پر آئی ہیں حامد کا بھی یہی خیال تھا وہ بھی کہنے لگا محمودہ سچ کہہ رہی ہے سب کیا دھرا تمھارا ہی بڑے حضرت ترکیب سوچنے والے بنے تھے اب تو میاں احمد بھی لال پیلے ہوئے اور کہنے لگے اچھا تم دونوں مجھے برا بھلا کہہ رہے ہو جیسے آپ بھولے بھالے اللہ میاں کی گائے ہیں گویا کچھ جانتے ہی نہیں۔

آخر ماں نے عاجز ہو کر کہا۔ اب اپنی بکواس کو ختم بھی کرو گے یا نہیں کم بختو۔ جاؤ اپنی اپنی چارپائیوں پر جا کر لیٹو نہیں تو بینتوں سے تمھاری کھال اُدھیڑ دوں گی۔





بے ہاتھ کا آدمی

(از جناب ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری)

خدا کی قدرت بھی عجیب ہے، جس کو جیسا چاہتا ہے بنا دیتا ہے، اور جس کو جیسا بناتا ہے اس کی حالت کے مطابق اس کو عقل بھی دے دیتا ہے، دیکھئے آدمی کے بدن میں ایسی کوئی چیز نہیں جو بیکار ہو، اب ہاتھوں ہی کو لیجئے، ایک ہاتھ میں بھی درد ہو جائے یا کسی اور وجہ سے وہ کام نہ دے تو آدمی کتنی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن میں آپ کو ایک ایسے آدمی کا حال سناتا ہوں جس کے پیدائش کے وقت سے ہی دونوں ہاتھ نہ تھے، لیکن خدا نے اس میں ایسی سوجھ بوجھ اور عقل پیدا کر دی تھی کہ وہ ہاتھ کا کام پاؤں سے لیتا تھا اور بڑی آسانی سے۔

آپ نے ایران کا نام سنا ہوگا، ہندوستان کی طرح وہ بھی ایک ملک ہے، اسے فارس بھی کہتے ہیں، ہندوستان کے باشندوں کا ایران سے بہت کچھ تعلق بھی ہے۔ اس تعلق کو آپ ابھی تو کیا بڑے ہو کر سمجھیں گے۔ اس ملک کا دارالسلطنت طہران ہے، وہاں سے ایک پرچہ نکلتا ہے، جیسے آپ کا یہ پرچہ ہے۔ اس کا نام "مہر" ہے اس میں ایک آدمی کی تصویر چھپی ہے اور اس کے حالات لکھے ہیں۔ اس پرچے کی زبان فارسی ہے، اگر آپ شوق سے پڑھتے رہے تو بڑے ہو کر فارسی پڑھنے اور سمجھنے لگیں گے، اس کا نمونہ اس وقت دیکھ لیجئے۔

"بے دست چہ کارہا می کند؟"

بے ہاتھ کا آدمی کون کون سے کام کرتا ہے؟

اس آدمی کا نام عباس تھا، ایران کے مشہور شہر تبریز میں رہتا تھا، ۱۳۲۵ھ تک تبریز میں زندہ تھا، وہاں اب تک اس کے بہت سے

دیکھنے والے موجود ہیں، اس کے دونوں ہاتھ پیدائشی طور پر بالکل صاف تھے، مونڈھوں اور بغل تک کا نشان نہ تھا، اس نے چوّن برس کی عمر پائی :

جن لوگوں نے عباس کو دیکھا تھا ان کا بیان ہے کہ دوسرے لوگ جو کام ہاتھ کی انگلیوں سے کرتے ہیں وہ سب کام عباس پاؤں کی انگلیوں سے کرتا تھا، وہ چائے پیتا تھا اور اس کے پاؤں کی انگلیوں میں چائے کی پیالی ملتی نہ تھی، چائے کو چمچے سے چلاتا تھا، چائے کے علاوہ جو کچھ وہ کھاتا تھا پاؤں سے کھاتا تھا، وہ پیروں کے ذریعہ نہایت آسانی سے کپڑے پہن لیا کرتا تھا، قلم بناتا تھا، کاغذ تہ کرتا تھا اور لکھتا تھا، وہ تعویذ لکھا کرتا تھا اور لوگوں کو اس کے تعویذ پر بہت اعتقاد تھا، لوگ اسے صاحب دل یعنی بزرگ اللہ والا سمجھتے تھے، اس کا چھوٹا سا بستہ تھا۔ اس میں دعا تعویذ کی کتاب، قلم دان اور لکھنے پڑھنے کا تمام سامان رکھتا تھا، اس بستے کو وہ اپنے پاؤں سے طاق سے نیچے اتار لیتا، اسے کھولتا اور نہایت اطمینان سے ایک ایک کتاب اس میں سے باہر نکالتا، پھر قلم دان کھولتا، قلم اٹھاتا، دائیں پاؤں کی دو انگلیوں سے قلم پکڑ کر بائیں پاؤں کے ناخن پر قلم کی نوک کو دیکھتا، اگر قلم درست ہوتا خیر ورنہ اسے چاقو سے درست کرتا، اس کے بعد لکھتا،

دیکھی آپ نے خدا کی قدرت ! اس کی دی ہوئی عقل کی خوبی !

اب ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ اندھے پڑھیں لکھیں، بے ہاتھ کا آدمی بھی پڑھے لکھے پھر کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ بچے پڑھنے لکھنے میں جی نہ لگائیں جن کو خدا نے آنکھ کان اور ہاتھ پاؤں سب دیئے ہوں، دیکھو، عزیزو ! تم پڑھنے لکھنے میں کمی نہ کرنا ہو





نقالی

(از محمد احمد سبزواری صاحب بھوپال)

ہمارے خیال میں تو بچپن میں ہر ایک شریر ہوتا ہے۔ اور بعض تو ایسی شرارتیں کرتے ہیں کہ شرارت پر بجائے غصّے کے ہنسی آتی ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں نے بالکل سچ کہا ہے کہ جو بچے زیادہ شریر ہوتے ہیں وہ ذہین بھی بہت ہوتے ہیں۔ کیوں کہ شرارت کرنے میں بھی دماغ پر زور دینا پڑتا ہے۔ اور اس میں بھی عقلمندی اور ذکاوت کا دخل ہوتا ہے۔ مگر کہیں آپ یہ مضمون پڑھ کر اپنی ذکاوت اور ذہانت کا ثبوت نہ دینے لگیں کہ گھر اور محلے والے آپ سے پریشان ہو جائیں اور وہ سب ہمیں بُرا بھلا کہیں۔

دنیا میں بہت سی شرارتیں ہیں۔ ان میں سے ایک نقالی بھی ہے۔ نقالی کے معنی تو آپ جانتے ہی ہوں گے کسی چیز کی نقل کرنے کو نقالی کہتے ہیں۔ مثلاً فرض کیجیے کہ آپ بکری کی آواز کی نقل کرتے ہیں اب اگر آپ بالکل اس طرح نقل کرتے ہیں کہ سننے والوں کو بکری کی آواز کا دھوکا ہوتا ہے تو گویا آپ ایک اچھے نقال ہیں۔ اور غالباً آپ میں سے ہر ایک نقال ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ نے اپنے محلے کے کسی بوڑھے آدمی کی جو لاٹھی ٹیکتا ہوا عجیب انداز سے چلتا ہو گھر میں آکر نقل نہ اُتاری ہو یا اپنے مولوی صاحب کے پڑھنے کی نقل نہ کی ہو۔ یا کسی جانور کی بولی کی نقل نہ اُتاری ہو۔ بس آپ اپنا کوئی دلچسپ قصّہ لکھ کر پیام تعلیم میں بھیج دیجئے۔ ایڈیٹر صاحب جس واقعہ کو سب سے اچھا اور

۱؎ دانائی۔ ذہانت۔ عقل مندی۔

دلچسپ تجویز کریں گے اُس پر آپ کو ایک عمدہ سا انعام ملے گا۔

آج کل اکثر مدرسوں اور کالجوں میں جہاں اور مختلف کھیل تماشے ہوتے ہیں وہاں نقالی (ڈراما) بھی ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً ایک لڑکا سادھو بنتا ہے۔ اور بالکل سادھو کی طرح اَپنے بدن پر راکھ ملتا ہے، ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا اور گلے میں دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔ دوسرا لڑکا بازار میں مٹھائی بیچنے والے (حلوائی) کی نقل کرتا ہے۔ اور نہ صرف اس کا لباس مٹھائی بیچنے والے کی طرح ہوتا ہے بلکہ وہ آواز بھی اسی طرح لگاتا ہے۔ جو اپنی نقل سب سے بہتر طریقے پر ادا کرتا ہے وہ انعام کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اب آپ صرف یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اپنا قصہ سُناتے شرم آتی ہے تو ہم آپ کو قصہ سُنائے دیتے ہیں اور اسے پڑھنے کے بعد تو شاید آپ کو کوئی عُذر نہ ہوگا۔

آج سے آٹھ دس سال پہلے ہم کسی چھوٹی جماعت میں پڑھتے تھے اور اپنی عمر کے لڑکوں میں سب سے زیادہ شریر سمجھے جاتے تھے۔ ایک دن کیا ہوا کہ والد صاحب کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ بس اَب کیا تھا باہر کے کمرے پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ اور ہم وہاں اَپنے چند دوستوں کے ساتھ گپ شپ لڑانے لگے۔ باتوں باتوں میں کچھ فقیروں کا ذکر آگیا۔ ہر ایک نے کسی نہ کسی فقیر کا قصہ بیان کیا۔ سب کے بعد ہم نے اَپنے محلے کے ایک نئے فقیر کا واقعہ بیان کیا اور اس کی آواز کی نقل بھی اُتاری۔ سب نے ہماری نقل کی تعریف کی مگر ایک صاحب نے جنھوں نے شاید اُس کی آواز نہیں سنی تھی دوسروں سے اختلاف کیا۔ ہم نے اُنھیں یقین دلایا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہے مگر وہ نہ مانے تب ہم نے اَپنے سَب دوستوں کو ٹھیرنے پر مجبور کیا کیوں کہ فقیر کے آنے کا وقت ہو چکا تھا۔ اور ہم اپنی سچائی ثابت کرنا چاہتے تھے۔

آج خلافِ معمول وہ وقت پر نہیں آیا۔

اور جب کافی وقت گذر گیا تو ہم اُسے دیکھنے باہر آئے ۔ ہمارا مکان ایک سڑک اور گلی کے نکڑ پر تھا ۔ ہم گلی میں بھی اُسے دیکھنے گئے مگر وہ وہاں نہ تھا مگر ایک مکان سے پلاؤ کی خوشبو آرہی تھی ۔ ہم جلدی سے واپس لوٹے اور آکر اپنے دوستوں سے کہا اگر ہم فقیر کی آواز کی نقل کرکے اور آپ کو پلاؤ لاکر کھلادیں تب تو آپ کو ہماری سچائی کا قائل ہونا پڑے گا ۔ سب ایکبارگی چیخ اُٹھے ضرور ضرور ۔ ہم نے جلدی سے ایک کالی شال سر پر ڈالی پائیچے اوپر چڑھائے اور ایک سگریٹ کا بڑا ڈبہ جو خالی پڑا تھا اُٹھا کر اسی مکان پر پہنچے اندھیرا کافی ہوگیا تھا ۔ اور مکان کی ڈیوڑھی میں تو اتنا اندھیرا تھا کہ آدمی کو پہچاننا مشکل تھا ۔ ہم نے آہستہ سے گلا صاف کیا اور "آواز" لگائی ۔ اندر سے جواب آیا "ٹھیریئے میاں صاحب" ہم خوشی سے اچھل پڑے کیوں کہ اب ہم تقریباً کامیاب ہو چکے تھے ۔ تھوڑی دیر تک انتظار کیا جو اُس وقت بہت ہی ناگوار گذر رہا تھا کہ کسی کی آہٹ سنائی دی ۔ اور کسی نے ہم سے کہا "لیجیئے" ہم نے اندھیرے میں جلدی سے ڈبا آگے کر دیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہمیں کیا ملا ؟ ۔ آپ جلدی سے بول اُٹھیں گے "پلاؤ" ۔ لیکن جناب جب ہم نے گرم گرم پلاؤ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ہمارے ہاتھ پر ایک ڈنڈا پڑا ۔ وہ تو خیریت یہ ہوئی کہ ہاتھ میں ڈبا تھا اس لئے وہ ڈنڈا اس پر پڑا ۔ ہم اس مصیبت ناگہانی کے لئے تیار نہ تھے اور ہم نے ذرا رونی سی آواز بنا کر کہا " بابا غریب فقیر کو کیوں مارتے ......" ابھی یہ جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک ڈنڈا اور پڑا ۔ وہ تو اندھیرا تھا ۔ اس لئے دیوار پر لگا ورنہ بھائی ہمارے ہاتھ پیر کی خیر نہ تھی ۔ اب ہم تیسرے ڈنڈے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے فوراً بھاگے اور سیدھے اپنے دروازے پر آکر دم لیا ۔ ہمارے پیچھے کوئی صاحب اور بھاگے مگر ہمیں پکڑ نہ سکے ۔ ادھر تو دوست پلاؤ کا تقاضا کر رہے تھے کہ اُدھر خاں صاحب جن کے مکان پر ہم پلاؤ مانگنے گئے تھے بھاگتے ہوئے آرہے تھے ۔ ہم نے

"ایک تماشا دیکھو" کہہ کر سب کو خاموش کیا اور دلچسپ واقعات کا انتظار کرنے لگے۔ اب خاں صاحب بالکل ہم لوگوں کے پاس آگئے تھے اور ہم اتنی دیر میں شال وغیرہ سب الگ پھینک سیدھے سادھے شریف بچے بن چکے تھے۔ خاں صاحب نے آتے ہی ہم لوگوں سے سوال کیا "وہ کدھر گیا"

"کون" ایک لڑکے نے تیزی سے پوچھا

"وہی فقیر جو ادھر سے بھاگتا ہوا گیا"

"کون سا فقیر" ایک دوسرے صاحب نے دریافت کیا اور سب ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ ہم نے ذرا آگے بڑھ کر پوچھا "آپ اُسے کیوں پوچھتے ہیں"

"وہ بڑا مکار ہے" خاں صاحب نے غصے میں فرمایا۔

"بات کیا ہوئی" ایک لڑکے نے پوچھا

"کل گھر میں کوئی ماما وغیرہ نہ تھی اس لئے بچی اُسے روٹی دینے آئی اور یہ اُس کی ایک چوڑی ہاتھ میں سے اُتار کر بھاگ گیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب وہ اس محلے میں قدم نہیں رکھ سکتا مگر وہ تو آج پھر آموجود ہوا۔ میں تو پہلے ہی سے اُس کی تاک میں تھا جوں ہی اُس کی آواز سنی لکڑی اُٹھا کر اس کی خبر لے ڈالی۔ وہ تو بھاگ گیا ورنہ میں اُس کا بھُرتہ بنا دیتا" خاں صاحب اور کچھ بیان کرنا چاہتے تھے مگر لڑکے ہنس رہے تھے۔ خاں صاحب نے تھوڑی دیر تو ضبط کیا مگر پھر غصہ زیادہ آگیا اور ہم سب پر خفا ہونے لگے۔ ادھر ہماری ہنسی تھی کہ روکے نہیں رُکتی تھی۔ جتنا اُن کو غصہ آرہا تھا ہم کو اور زیادہ ہنسی آرہی تھی۔

اتفاق کی بات اسی وقت ہمارے چچازاد بھائی آگئے اور جب خاں صاحب نے اُن سے ہماری گستاخی کی شکایت کی اور اُنھوں نے ہم سے قصہ پوچھا تو ہم نے انھیں سارا قصہ سنایا کہ کس طرح ہم نے فقیر کی نقل کی اور کس طرح خاں صاحب نے ہم پر حملہ کیا اور ہمارے پیچھے یہاں تک آئے۔ اس قصے کو سن کر وہ بھی ہنسنے لگے اور خاں صاحب کھسیانے ہو کر یہ کہتے چلے گئے "آج کل کے

لڑکے فتنہ ہیں خدا ان سے بچائے "!

گو ہم کو پلاؤ نہ مل سکا مگر ہم نے اپنے پارٹ (نقل) کو بڑی اچھی طرح انجام دیا اور اس کے نہ صرف ہمارے دوست بلکہ گھر والے (سوائے والدہ صاحبہ قبلہ کے جنھوں نے آہستہ سے ہمارا کان کھینچا تھا) تک معترف تھے بھائی صاحب نے تو ہم کو چاندی کا ایک تمغہ دیا جو اب تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔

پڑھنے کی کتابیں

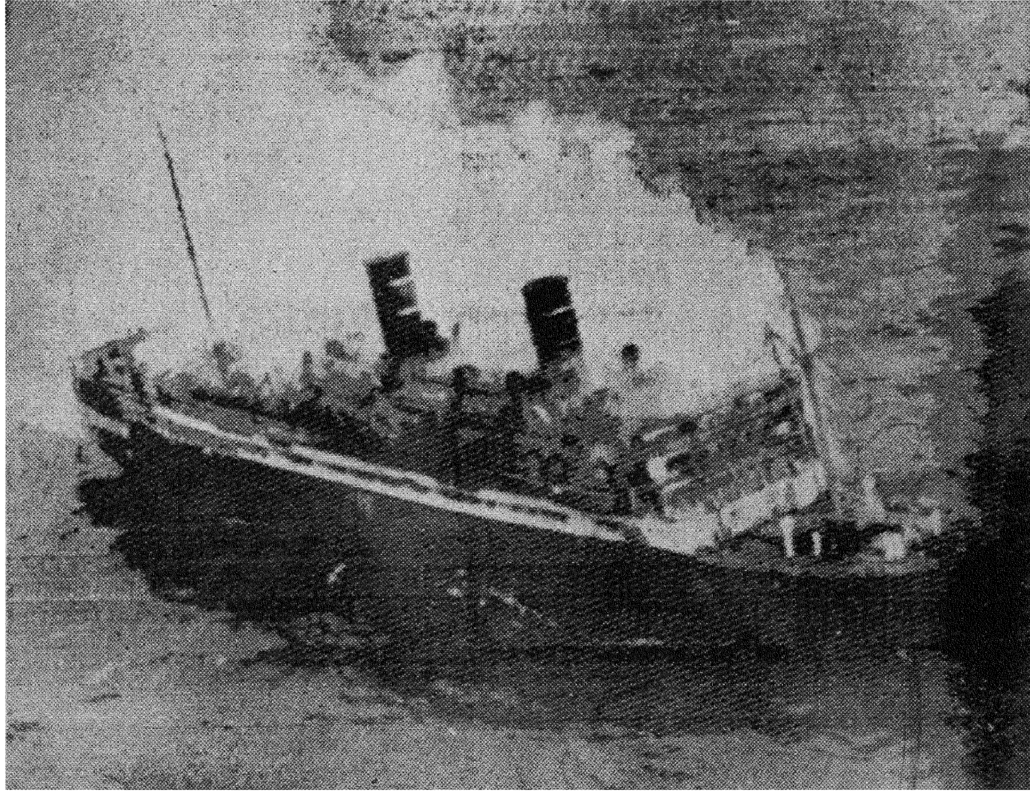
شیطان کا چرخہ اور دوسری کہانیاں

جناب ایم اسلم کی کتابوں کا ذکر ہم پہلے بھی اس صفحے میں کر چکے ہیں۔ یہ ایک اور کتاب ہے جو ابھی ابھی ہمارے پاس آئی ہے۔ اس میں پہلی کہانی "شیطان کا چرخا" کے ساتھ دو اور کہانیاں ہیں۔ پہلی کہانی میں بتایا ہے کہ ایک بخیل آدمی نے یہ فریب دے کر کہ اس کی لڑکی بڑی عقل مند ہے مٹی کو چھوتی ہے تو سونا بن جاتا ہے۔ اس کی شادی بادشاہ سے کردی۔ بادشاہ بھی بڑا بیوقوف تھا وہ سمجھا کہ جو کچھ یہ بخیل اس لڑکی کے بارے میں کہہ رہا ہے بالکل صحیح ہے چنانچہ اس نے لڑکی کو حکم دیا کہ اپنی عقل مندی کا امتحان دے اور صبح تک روئی کا سونے کا تاگا کات کر پیش کرے۔ لڑکی حیران تھی کہ کیا کرے۔ آخر ایک بونے نے آکر اس کی مدد کی۔ تین چار دن تک ایسا ہی ہوتا رہا تب کہیں جاکر بادشاہ کو اطمینان ہوا کہ بخیل سچ کہہ رہا تھا اور لڑکی سے شادی کرلی لیکن لڑکی بونے سے یہ قول ہار چکی تھی کہ اگر لڑکا ہوا تو بونے کو دے گی اور جب لڑکا پیدا ہوا تو بڑی عقل مندی کے ساتھ اس لڑکی نے بونے سے پیچھا چھڑایا۔

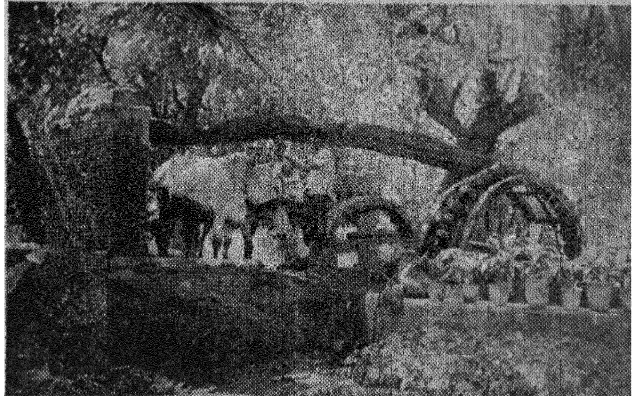
دوسری کہانی میں یہ بتایا ہے کہ کس طرح ایک دیانت دار ملازم نے اپنی جان گنوا کر اپنے آقا کی جان اور مال بچایا اور کس طرح اس کی نیک شریف اور سمجھ دار لڑکی نے اپنی عقل مندی سے اپنی ماں کی بری بری عادتیں چھڑائیں۔

تیسری کہانی میں یہ بتایا ہے کہ کس طرح ایک بندر کی عقل مندی سے ایک نیک اور دیانت دار بڑھیا خوب دولت مند بن گئی۔

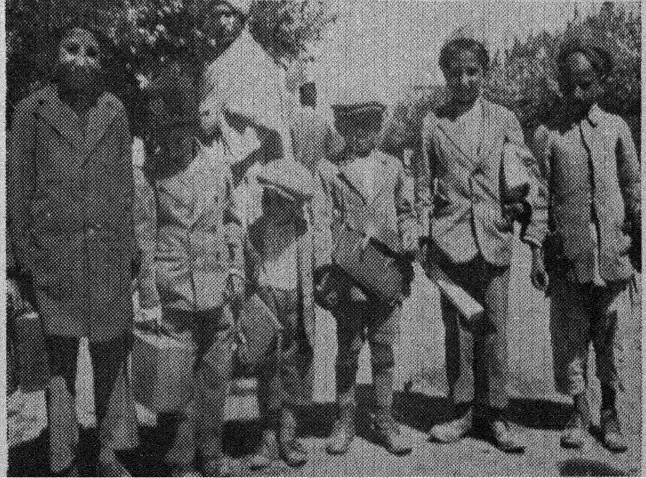
یہ تینوں کہانیاں نہایت دلچسپ ہیں جناب ایم اسلم صاحب نے بچوں کی کہانیاں لکھنے میں اچھی مہارت حاصل کرلی ہے۔ بچوں کی زبان وہ خوب لکھتے ہیں۔ اس کتاب کی لکھائی چھپائی اور سرورق بھی بہت خوب صورت ہے قیمت ۱۲ مکتبہ سے ملے گی۔



مورو کیسل جہاز کی یہ تصویر جلتے وقت لی گئی تھی - اس حادثہ سے بہت زبردست نقصان ہوا ہے



پانی بھرنے کا پرانا طریقہ



افغانستان کے چند بچے جو نئے طرز کے اسکولوں میں تعلیم پارہے ہیں

Calcutta Art Press, Delhi.



زعفران کا محل

از جناب محمد فضل اللہ صاحب از آگرہ

شہر آگرہ میں ایک وکٹوریہ پارک ہے جو تاج محل کے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ پارک انگریزوں کا بنوایا ہوا ہے۔ یہاں پہلے اکبر بادشاہ کے ایک افسر رومی خاں کے محل اور کچھ ٹیلے تھے ان ٹیلوں کو کاٹ کاٹ کے اور محلوں کو گرا گرا کے یہ پارک بنا ہے۔ محل کا ایک گنبد اب بھی ہے جو رومی خاں کے ٹیلوں کی یاد دلاتا ہے۔ یہ محل دریائے جمنا کے قریب اکبر بادشاہ کے لال قلعہ کے بالکل سامنے تھے۔ صبح سویرے قلعہ کے محل اور شام کو رومی خاں کے محلات سورج کی پہلی اور آخری کرنوں سے جمنا کے پانی میں خوب جگمگاتے تھے۔

رومی خاں کے محلوں میں سے ایک محل کی دیواروں کے چونے میں زعفران کے بورے کے بورے ملوائے گئے تھے۔ وہ محل زعفران کی خوشبو سے مہکتا تھا۔ یہ زعفران کیوں ڈلوائی گئی تھی اس کا قصہ سنئے۔

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں وسط ایشیا سے سوداگروں کا ایک قافلہ آیا تھا۔ اس قافلے میں ایک سوداگر اپنے اونٹوں پر زعفران ہی زعفران لایا۔ اور دربار میں بیچنے کی غرض سے حاضر ہوا مگر بادشاہ نے نہ جانے کیوں لینے سے انکار کیا۔ سوداگر مایوس ہوکر دوسرے ملک کو روانہ ہونے لگا۔ جب اس کے اونٹوں کی قطار رومی خاں کے ٹیلوں کے نیچے سے گذر رہی تھی تو رومی خاں نے اسے بلوا کے پوچھا کہ اونٹوں پر کیا ہے اور کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ میں بڑی امیدوں سے وسط ایشیا سے زعفران لے کر آیا تھا کہ یہاں کا بادشاہ لے گا لیکن اس نے انکار کیا اب میں سمرقند

جا رہا ہوں۔ رومی خاں نے بوروں کی قیمت پوچھی اور سب خرید لئے اور حکم دیا کہ اس زعفران کو گارے اور چونے میں ملا کر ایک محل بنایا جائے۔ دو ہی ہفتہ میں ایک شان دار محل بن کر تیار ہو گیا۔

دربار میں اکبر بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو اُسے بہت غصّہ آیا اور وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور کہا کہ سواری لائی جائے میں چل کر خود دیکھوں گا۔

محل میں جا کر اکبر نے رومی خاں سے سوال کیا کہ کیوں رومی خاں تمھیں اتنا روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کسی نے بھی آج تک زعفران سے محل بنوایا ہے!"

رومی خاں بادشاہ کا غصّہ دیکھ کر ڈرا نہیں اُس نے جواب دیا "حضور اس میں آپ ہی کی عزّت ہے"

اکبر نے کڑک کر کہا "یعنی"

رومی خاں نے ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور ایک سوداگر نا اُمید ہو کر دربار سے جا رہا تھا اگر کسی دوسرے ملک کا بادشاہ حضور کے متعلق پوچھتا تو وہ اچھا خیال ظاہر نہ کرتا۔ اب اگر کوئی اس سے پوچھے گا تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ ہندوستان کا بادشاہ تو بادشاہ وہاں کی رعیّت تک بڑی مال دار اور فراخ دل ہے"

اکبر نے پوچھا "مگر زعفران سے محل بنوانے کی کیا ضرورت تھی" رومی خاں نے جواب دیا کہ "حضور اتنے زعفران کے بورے میں کس کام میں لا سکتا تھا۔ بس میں نے یہی سوچا کہ محل بنواؤں تاکہ آپ کے زمانے میں جیسی اور نئی نئی باتیں ظاہر ہو رہی ہیں اس زعفران کے محل سے بھی کوئی نئی بات پیدا ہو جائے اور یادگار رہے"

رومی خاں کی ان عقل مندی کی باتوں سے بادشاہ کا غصّہ ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ ہنسی خوشی محل سے واپس نکلا۔

دیکھا آپ نے لوگ زعفران کے کھیت میں جانے سے ہی نہیں ہنستے بلکہ زعفران سے بنی ہوئی عمارت تک دیکھنے سے خوش ہو سکتے ہیں لیکن اب وہ عمارت کہاں ہے وہ تو پیروں کے نیچے ہے! ۔ سچ ہے رہے نام اللہ کا ۔



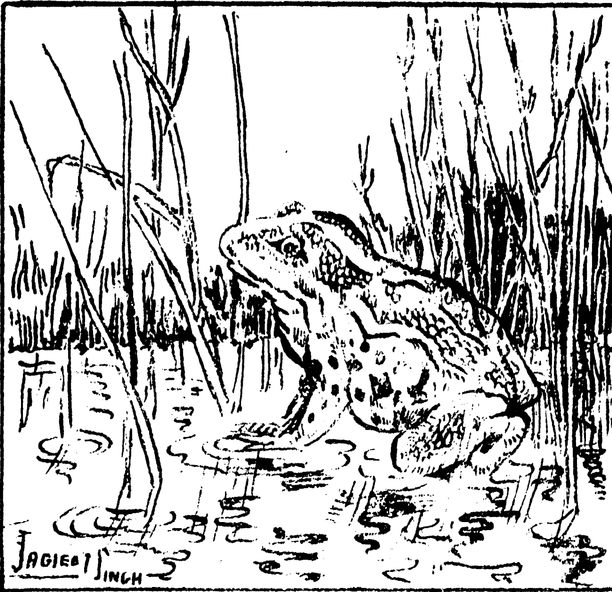
جس کا کام اُسی کو ساجھے

(از جناب سید مسعود علی صاحب۔ مسعود لاج میرٹھ)

ایک شخص کے پاس ایک گدھا اور ایک چھوٹا سا کُتّا تھا۔ کتّے سے وہ بڑی محبت کرتا تھا کبھی اُسے پیار کرتا اور کبھی اُسے اپنے پاس بٹھا کر اس سے باتیں کرتا اور اچھی اچھی چیزیں کھلاتا۔ گدھا یہ سب باتیں دیکھ کر اپنے دل میں کہا کرتا میں تمام دن سخت محنت کرتا ہوں۔ مالک کے بڑے بڑے وزنی بوجھ ڈھوتا ہوں مگر پھر بھی مجھ پر وہ اتنا مہربان نہیں۔ اس ذرا سے پلّے کو دیکھو۔ مالک کو دیکھ کر صرف دُم ہلانے اور اُچھلنے کودنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ مالک کا کوئی کام کرتا ہے نہ محنت بس دن رات مزے سے پڑا رہتا ہے۔ پھر بھی وہ اس پر اتنا مہربان ہے۔ اور اُسے اس قدر پیار کرتا ہے جتنا اپنے بچّوں سے۔ لاؤ ایک دن میں بھی یہی کر کے دیکھوں۔ شاید مالک مجھ سے بھی اسی قدر پیار اور محبّت کرنے لگے۔ دوسرے دن آپ دوڑے دوڑے مالک کے کمرے میں پہنچے وہ اس وقت میز پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے پہلے تو خوب ڈھینچوں ڈھینچوں کے نعرے لگائے پھر اس زور سے اپنی دُم کا کوڑا ہلانا شروع کیا کہ میز پر جو پانی کی صُراحی اور چینی اور کانچ کے برتن رکھے تھے ان سب کو گرا کر توڑ ڈالا۔ پھر آپ نے کتّے کی طرح مالک پر اُچھلنا اور کودنا شروع کیا اور ایسی دولتّیاں جھاڑیں کہ بے چارے کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ آخر کار اس نے لے کے ڈنڈا گدھے صاحب کی خوب ہی تواضع کی اور گھر کے باہر نکال دیا۔ گدھے صاحب کو بڑا افسوس ہوا اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کر بولے۔ ہائے قسمت اُس پلّے سے کہیں زیادہ میں نے مالک سے پیار اور محبّت ظاہر کی مگر اس کا مجھے یہ انعام ملا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ بے وقوف گدھا پھر بھی یہ نہ سمجھا کہ جس کا کام اُسی کو ساجھے۔ خامخواہ کسی کی ریس کرنے کا یہی انجام ہے۔ فقط

مینڈک پانی میں کیوں رہتی ہیں

مینڈک سردیوں میں برابر پانی ہی میں رہتے ہیں۔ ان دنوں وہ کیچڑ کی تہ میں بے خبر سوتے رہتے ہیں۔ جب گرمیوں کا زمانہ آتا ہے تو ان کی نیند ٹوٹتی ہے اور کیچڑ سے نکل کر خشک زمین پر اُچھلتے کودتے پھرتے ہیں۔ اور پھر برسات کا موسم تو ان کے لئے یوں سمجھئے کہ جنت ہے۔ بڑی خوشی مناتے ہیں اور بڑی خوشی سے گاتے ہیں۔ آپ کو



یہ آواز بری معلوم ہوتی ہو تو ان کی بلا سے انھیں تو اپنی خوشی ظاہر کرنے سے مطلب ان میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ پانی اور خشکی دونوں میں ایک طرح پر رہ سکتے ہیں بلکہ ان کے بچے تو پانی ہی کے اندر پیدا ہوتے ہیں کچھ بڑے ہو کر یہ زمین پر رہنا سیکھتے ہیں تب کہیں پورے مینڈک کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ گرمیوں میں ان کی خوراک کیڑے مکوڑے ہوتی ہے۔



کسان کا سوال

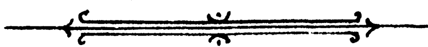
(از جناب محمد رشید الدین صاحب لاہور)

کئی روز ہوئے میرے پاس ایک کسان آیا کچھ فکر مند سا تھا میں نے پوچھا کیا بات ہے کہنے لگا۔ "بابو جی میرے چار لڑکے ہیں میرے پاس کچھ زمین ہے میں چار برابر برابر حصوں میں یہ زمین تقسیم کرنا چاہتا ہوں لڑکوں کی بھی یہی خواہش ہے۔ مگر زمین کی شکل کچھ اس طرح کی ہے۔

میں نے بہت سوچا بہت غور کیا مگر میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح میں اسے چار برابر کے حصوں میں تقسیم کروں۔ اب بابو جی میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ کہ شاید آپ اس مشکل کو حل کر دیں۔"

میں نے سوچا کسی غریب کی مدد ہو سکتی ہے تو کیوں نہ کی جائے۔ مفت میں ثواب ملتا ہے لیجئے صاحب میں اس کے ساتھ کھیت پر گیا۔ اس نے کہا بابو جی "یہ میری زمین ہے" میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر اسے سمجھا دیا کہ اس طرح اسے چار حصوں میں تقسیم کر دو کیا مجال جو کوئی گڑبڑ ہو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کے چاروں لڑکے بڑے ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے بابو جی آپ نے ہم پر بہت مہربانی کی جو اس کے پورے پورے چار حصے کر دئے پھر مزا یہ کہ ایک ہی شکل کے۔"

آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے کس طرح زمین کو تقسیم کیا دماغ پر زور ڈالئے۔ شاید آپ سمجھ جائیں۔



بلی کو دودھ پلاؤ

ننھی منی سی خوب صورت بلی کیسی پیاری لگتی ہے۔ تمھارے پاس بھی ہے! اگر ہوگی تو تمھیں تو اس سے بڑی محبت ہوگی تم خوب اُس سے کھیلتے ہوگے۔ پیار کرتے ہوگے اور اسے دودھ پلاتے ہوگے۔ آؤ آج تمھیں نقلی بلی بنانے کی ترکیب بتائیں۔ ذرا اس ترکیب کے مطابق بنانے کی کوشش تو کرو۔ عین مین اصلی بلی معلوم ہوگی۔ اور بڑے مزے کا کھیل ہوگا۔ تمھاری آسانی کے لئے ہم یہاں کچھ تصویریں بھی دیتے ہیں۔

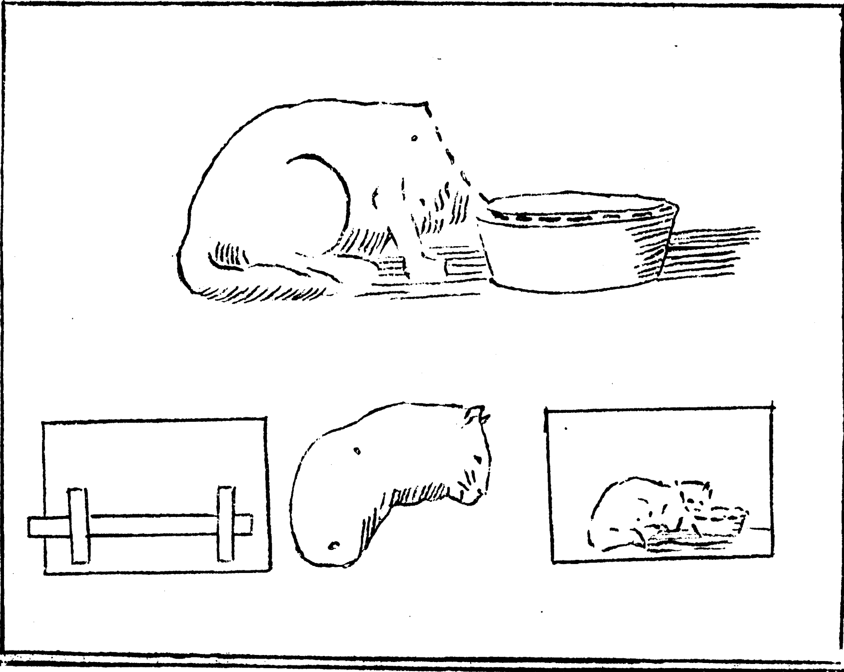
تصویر نمبر ۱ سے کسی ہلکے کاغذ پر بلی کے بدن اور پیالے کی تصویر اتار لو۔ پھر ایک موٹی سی دفتی لے کر اس پر یہ تصویر بنالو۔ یہ دفتی ۴½ انچ لانبی اور تین انچ چوڑی ہونی چاہیئے۔ اب دفتی کا دوسرا ٹکڑا لو جو ۴½ لانبا اور ¾ انچ چوڑا ہو۔

اب ذرا پتلی سی دفتی لو۔ اس پر بلی کے سر (تصویر ۲) کی تصویر بنالو۔ ذرا اس کا خیال رہے کہ دونوں نقطے ٹھیک جگہ پر ہوں بلی کے بدن، سر اور پیالہ میں رنگ بھر لو پھر جہاں جہاں چھوٹی، لکیریں دی ہوئی ہیں۔ (یعنی بلی کی گردن اور پیالے کے سرے پر) وہاں ایک تیز چاقو سے کاٹ دو۔ بلی کی گردن کے پاس کٹی ہوئی جگہ میں بلی کا سر داخل کردو پھر ایک چھوٹا سا پن ہلکے سے اس طرح لگاؤ کہ بلی کی گردن اور سر کے اوپر والے نقطوں سے گزرے۔ ایک دوسرا چھوٹا پن اس طرح لگاؤ کہ صرف بلی کے سر کے نیچے والے نقطے سے نکلے اور دفتی کے دوسرے ٹکڑے پر جو نقطہ ہو اس میں گذر جائے۔ ان پنوں کو اس طرح لگانا چاہیئے کہ ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے پر آسانی سے حرکت کر سکے۔

اب ذرا موٹے اور مضبوط کاغذ کے دو چھوٹے ٹکڑے لو۔ اوران کو بلی کی تصویر کی پشت پر اس طرح لگاؤ کہ دفتی کا لانبا ٹکڑا پڑی لکیر (——————) کی صورت میں رہ اوران دونوں کے بیچ میں آگے پیچھے حرکت کر سکے۔

لیجئے اب سارا سامان تیار ہوگیا۔ تصویر کے آگے اور پیچھے کا رخ تصویر نمبر ۳ اور ۴ کی طرح ہوگا۔ بلی کو دودھ پلانے کے لئے لانبے ٹکڑے کے ذرا نکلے ہوئے حصے کو آگے پیچھے حرکت دو بلی کا سر باری باری پیالہ میں جائے گا اور باہر آئے گا۔ اگر پیالے کے سرے پر کاٹنے کے بعد اس حصے کو ذرا باہر کی طرف موڑ دیا جائے تو بلی کا سر آسانی سے پیالہ میں جائے گا اور باہر آئے گا۔

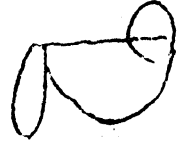
(شمیم جامعی)



تصویر بنانے کی آسان ترکیب

بھیڑیا

(۱)



(۲)



(۳)

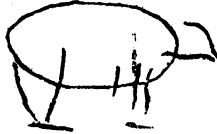


(۴)

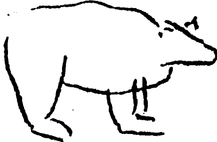


ریچھ

(۱)



(۲)



(۳)

